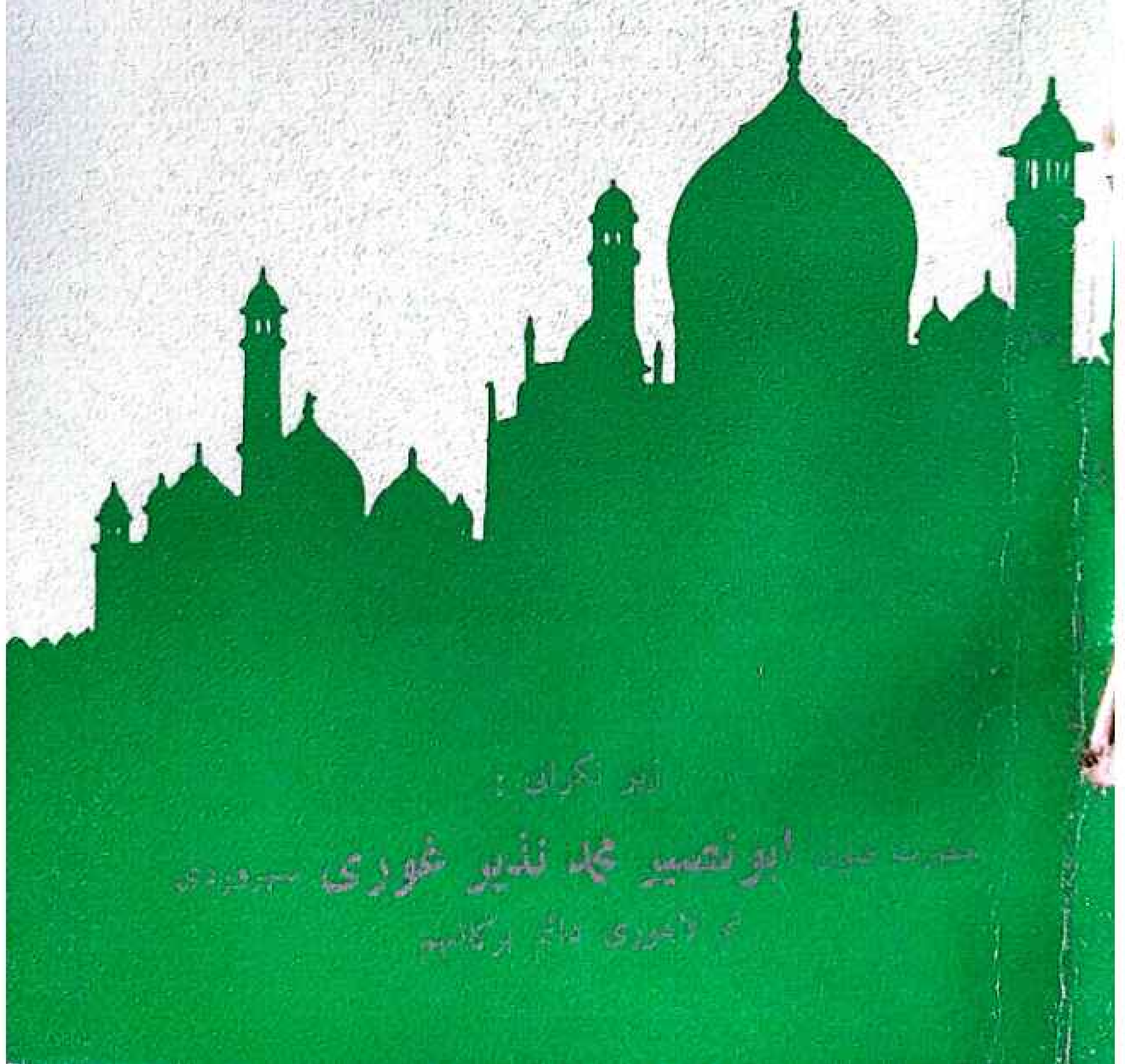
سہرورد

سلسلۂ تنویر تصوف

سلسلہ نمبر



زیر نگرانی:

حضرت صوفی ابو انیس محمد نذیر غوری سہروردی

سہرورد

سلسلۂ نشر تصوف — سلسلہ نمبر ۶

— بیاد گار —

اسوۃ الواصلین حضرت شرف الدین المعروف بابا جنگوشاہ قلندر قدس سرہٗ

حجۃ الکاملین حضرت میاں غلام محمد سہروردی قدس سرہٗ

مجدد سلسلۂ سہروردیہ حضرت سید ابو الفیض قلندر علی سہروردی قدس سرہٗ

زیرِ نگرانی

حضرت محمد نذیر غوری سہروردی ثم لاہوری دام برکاتہم

قیمت = /۱۰ روپے

سالانہ چندہ (بشمول ڈاک خرچ) = /۵۰ روپے

فہرست مطالب

محلِ نشر : سہروردیہ فاؤنڈیشن - ۱۱۵ میکلوڈ روڈ لاہور - ۶ فون ۲۲۲۷۸۴ / ۲۲۲۵۲۲

✿ سہرورد

✿ کتابت : عبدالجبار

✿ مطبع : گرافک الیون

✿ صفحہ بندی : محمد اعجاز

✿ خوشنویسی عنوان سہرورد : سید اویس علی سہروردی

✿ خوشنویسی فہرست مطالب : ہاشم الاعظمی (فیضان پروین)

✿ محل نشر : سہروردیہ فاؤنڈیشن - ۱۱۵ میکلوڈ روڈ لاہور - ۶

☎ - ۲۲۲۷۸۴ / ۲۲۲۵۲۲

تاریخ نشر: جولائی - ستمبر ۱۹۸۸

گفتگو

بسمہ تعالیٰ!

شمارہ ہفتم کی تیاری کے سلسلے میں راولپنڈی گیا، تو وہاں ڈاکٹر محمد ریاض (چیئرمین شعبۂ اقبالیات، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی) سے ملاقات ہوئی۔ دوران گفتگو آپ نے فاؤنڈیشن کے مقاصد کو سراہتے ہوئے فرمایا کہ ان کے پاس شیخ الشیوخ قدس سرہٗ کا تحریر کردہ "فتوت نامہ" موجود ہے۔ اور اس کے اُردو ترجمے کی افادیت کی طرف توجہ دلوائی۔ میری گزارش پر کہ چونکہ آپ نے شاہ ہمدانؒ (جن کا تعلق سہروردیہ کی کبرویہ شاخ سے ہے) کے فتوت نامہ کا اُردو ترجمہ کیا ہے اور تحریک فتوت پر کام بھی کیا ہے تو آپ سے موزوں اور کون ہو سکتا ہے۔ اس لئے آپ ہی اس کا ترجمہ فرما دیں تو آپ نے اس کی حامی بھر لی۔ ڈاکٹر صاحب کے اس بے لوث تعاون کے سلسلے میں ادارا اراکین فاؤنڈیشن سراپا سپاس ہیں۔

سُہروردکے آئندہ شماروں کے لئے فاؤنڈیشن کے اراکین نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ گاہے بگاہے سُہرورد کی ایسی خصوصی اشاعتیں شائع کی جائیں جو کسی ایک بزرگ کے لئے مخصوص ہوں یا تصوف پر کام کرنے والے محقق کے کام اور شخصیت پر ہوں۔ اس سلسلے میں شیخ الشیوخ ؒ سعدی شیرازی شاہ ہمدانؒ اور فخرالدین عراقی نمبروں کی تیاریاں شروع کر دی گئی ہیں اور دوسری جانب محققین میں مکرمی و محترمی حکیم محمد موسیٰ امرتسری کی علم تصوف کی خدمات کو خراج عقیدت پہنچانے کے لئے بھی مواد اکٹھا کرنا شروع کر دیا گیا ہے۔ اس لئے احباب سے گزارش کی جاتی ہے کہ وہ اپنے مقالات جلد روانہ فرمائیں۔

آخر میں ان تمام دوستوں اور بزرگوں کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں۔ جنھوں نے فرداً فرداً میری حوصلہ افزائی فرمائی اور اپنے قیمتی مشوروں سے نوازا۔

اللہ ولی ــــــ اور غنی ــــــ کی رحمتوں کا محتاج

سید ادریس علی سُہروردی عفی عنہٗ

اسلامی خطاطی



سلطان الخطاطین حافظ محمد یوسف سدیدی تلمیذ منشی محمد شریف رحمۃ اللہ علیہ ، تاج الدین زریں رقم

ولادت ـــــ ۱۹۲۷ء بمقام بھون تحصیل چکوال (ضلع جہلم)

آپ کی ذات محتاج تعارف نہیں۔ بیشمار پاکستان، مسجد ہند اور غیرہم آپ کے کمال فن کے مظہر ہیں۔ گزشتہ ۳۰ برس سے روزنامہ امروز کے خطاط اول کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں۔ بیشمار خطوں میں بلا کی مہارت اور تجربہ رکھتے ہیں۔

تصوّف اور معترضین

مؤلفہ :- شیخ الاسلام حضرت سید ابو الفیض قلندر علی سہروردیؒ

جناب ڈاکٹر محمد اقبالؒ اپنے ایک خط میں جو حضرت شاہ سلیمان پھلواروی ؒ کے نام لکھا گیا ہے تحریر فرماتے ہیں۔ "حقیقی اسلامی تصوف کا میں کیونکر مخالف ہو سکتا ہوں کہ خود سلسلہ قادریہ سے تعلق رکھتا ہوں۔ میں نے تصوّف کو رات سے دیکھا ہے۔ بعض لوگوں نے ضرور غیر اسلامی عناصر اس میں داخل کر دیئے ہیں۔ جو شخص غیر اسلامی عناصر کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتا ہے وہ تصوف کا خیر خواہ ہے، نہ (کہ) مخالف۔ انہیں غیر اسلامی عناصر کی وجہ سے ہی مغربی محققین نے تمام تصوف کو غیر اسلامی قرار دے دیا ہے اور حملہ انہوں نے حقیقت میں مذہب اسلام پر کیا ہے۔ ان حالات کو مدِّنظر رکھتے ہوئے یہ ضروری ہے کہ تصوف اسلامیہ کی ایک تاریخ لکھی جائے جس سے معاملہ صاف ہو جائے اور غیر اسلامی عناصر کی تقطیع ہو جائے۔ سلاسلِ تصوف کی تاریخی تنقید بھی ضروری ہے اور زمانہ حال کا علم النفس، جو مسالہ تصوف پر حملہ کرنے کے لئے تیار کر رہا ہے۔ اس کا پیشتر سے ہی علاج ہونا ضروری ہے"!

ہمارے شیخ قبلہ مخدومی و مکرمی حضرت سید ابو الفیض قلندر علی سہروردی قدس سرہٗ نے علم تصوف پر لکھی گئی اپنی ایک تصنیف "الفقر و فخری" میں ایک باب بعنوان "تصوف اور معترضین" باندھا ہے۔ جس میں ڈاکٹر صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی طرح شیخ مکرم و معظم قدس سرہٗ نے تصوف کو اسی تناظر میں دیکھا ہے۔ یہ مضمون نذر قارئین کرتے ہوئے ان معترضین کے لئے دعا گو ہوں کہ جو اسلاف کی جلیل القدر قربانیوں کو بازیچۂ اطفال سمجھتے ہوئے تصوف کو غیر اسلامی ثابت کرنا اپنا علمی منہاج سمجھتے ہیں اور ان نام نہاد جُبّہ، لنگوٹ پوشوں اور زلف دراز دل کے لئے بھی دعا گو ہوں، جو اسی کو تصوّف و روحانیت کی معراج سمجھتے ہیں

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی

محمد نذیر غوری سہروردی عفی عنہ

تصوّف اور معترضین

ہر صوفی مسلمان سے یہ امر پوشیدہ نہیں کہ تصوف پر کس بے دردی سے نکتہ چینیاں ہو رہی ہیں اور کن کن تاویلات باطلہ اور تشریحات رقیقہ سے ایڑی چوٹی کا زور لگا کر مُتصوفین کو رہبانیت کی وادی کے ساکن ثابت کرنے کی سعی کی جا رہی ہے۔ چنانچہ کتاب طراط مستقیم کے مصنف اسد الرحمٰن صاحب بھوپالی بھی باوجود اپنے آپ کو پیر طریقت ظاہر کرنے کے اس مسئلہ میں غلو کرنے سے باز نہیں رہے اور لکھتے ہیں کہ ا۔

(۱) کہ بعض صاحب ذوق علماء نے اشراقین کی پیروی کی اور اسلامی اعمال کو اشراقی اصول پر ترتیب دیا۔ یہ تصوف اسی کا ثمرہ ہے۔

(۲) ماہرین علم الاصول نے نظریات کا تصوف نام رکھا۔

(۳) تیسری اور چوتھی صدی ہجری میں جب تمام ادیان مذاہب سے حضرات اہل تصوّف آشنا ہوئے تو ہر ایک کے عقائد و اعمال میں سے اپنے مفید مطلب امور اخذ کر کے ایک عجیب و غریب مجموعہ تیار کر لیا۔

(۴) چھٹی اور ساتویں صدی ہجری میں تصوف نے ایک ہمہ گیر عظمت حاصل کر لی اور جوگیان ہند کے علوم قدیم سے بہت سے معتقدات و اعمال اخذ کر کے داخل تصوف کئے گئے اور ایک معجون مرکب تیار ہو گیا اور دسویں صدی ہجری کے بعد سے تو تصوف ایک طلسم ہُوشربا بن گیا۔

معاذ اللہ کن کن طریقوں سے بخل کا اظہار ہو رہا ہے اور کس کس رنگ میں بندگان خدا کی اور ان کے ایک پاکیزہ طریق کار کی مخالفت کی جا رہی ہے اور بعض لوگ تو صوفی کے نام کے ساتھ باطنی بُغض کے معاملہ میں یہاں تک بڑھ چکے ہیں کہ صوفی تو درکنار صوفی کے نام اور لفظ تک کو شودر اور ملیچھ کا درجہ دیتے ہیں بلکہ صوفی کے ساتھ اس لفظ صوفی کی بھی وہ مخالفت کرتے اور درگت بناتے ہیں کہ تو یہ بھی بھلی ہے۔ صوفی اور اس کا فعل کسی حد تک بھی نیک اور قابل تحسین کیوں نہ ہو۔ ان چودھویں صدی کے خود رائے مجتہدوں کے نزدیک گردن زدنی ہی

ہے۔ ان لوگوں نے مخالفانہ رنگ میں یہاں تک تجاوز کیا ہے کہ لفظ اور عمل صوفی کو باطل قرار دینے کے لئے سرکار انبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ حیات ظاہری سے لے کر آج تک کچھ اس کٹ حجتی سے گھسیٹا ہے کہ گویا جہاد افضل لفظ صوفی اور تصوف ہی کو مٹانا ہے۔ کسی نے صوفی کے عمل کی تحقیق میں قلم اٹھایا، تو کسی نے لفظ صوفی اور تصوف کے مادہ اشتقاق میں ٹوہ لگائی۔ چنانچہ بھوپالی صاحب کے علاوہ ایک اور اعظم گڑھی محقق نے لکھا ہے کہ عہد رسالتؐ اور صحابہؓ میں اصحاب صفہ کے سوا کوئی شخص یا کوئی گروہ کسی خاص لقب سے نہیں پکارا گیا۔ اس کے بعد تابعین اور تبع تابعین کے لقب ایجاد ہوئے۔ اس کے بعد بزرگان دین کو زاہد و عابد کے لقب سے پکارا گیا لیکن صوفی یا تصوف کے لفظ سے لوگ بالکل ناآشنا تھے۔ اس لئے لفظ صوفی کو کوئی مذہبی وقعت نہیں دی جا سکتی۔ پھر جب بدعات کا ظہور ہوا اور مختلف فرقے پیدا ہوگئے تو ایک جماعت زہاد کے لئے صوفی کا اسم بھی ایجاد ہوگیا۔ بظاہر اس اسم صوفی کی کوئی وجہ اشتقاق معلوم نہیں ہوتی اور نہ یہ اسلامی یا عربی زبان کا لفظ ہے بلکہ یہ ایک یونانی لفظ ہے۔ جس کا مادہ سوف ہے۔ جس کے معنی یونانی زبان میں حکمت کے ہیں اور دوسری صدی میں جب یونانی کتابوں کے ترجمے ہوئے تو یہ لفظ عربی میں آیا۔ چونکہ حضرات صوفیا میں اشراقی حکماء کا انداز پایا جاتا تھا اس لئے لوگوں نے ان کو سُوفی (حکیم) کہنا شروع کر دیا اور رفتہ رفتہ یہ لفظ سوفی سے صوفی ہوگیا۔ بعض نے کہا کہ غوث بن مُرّ نے خانہ کعبہ کے پاس سب سے پہلے اپنے آپ کو خدا کی خدمت کے لئے وقف کیا تھا اور اس کا مشہور نام صوفہ تھا۔ اس لئے جن لوگوں نے اپنے آپ کو اس کی طرف منسوب کیا۔ وہ صوفیا کہلائے اور غوث بن مر کو صوفہ اس لئے کہتے تھے کہ اس کی ماں کی کوئی اولاد زندہ نہ رہتی تھی اور اس نے منت مانی تھی کہ اگر اس کی کوئی اولاد زندہ رہی تو وہ اس کے سر پر اون لگا کر اس کو کعبہ پر وقف کر دے گی۔ چنانچہ اس نے ایسا کیا۔ تو غوث بن مُرّ کا نام صوفہ پڑگیا۔ بعض نے کہا کہ یہ لفظ صوفانہ سے مشتق ہے۔ جو ایک قسم کی گھاس ہوتی ہے۔ چونکہ صوفی لوگ صحرا کی گھاس پات کھا کر گزارہ کرتے تھے۔ اس لئے اس نام سے مشہور ہوگئے اور بعض نے تو یہاں

یک تشدد سے کام لیا ہے کہ یہ نام سینٹ صوفیہ گرجا کے رہنے والے راہبوں کی وجہ سے جو اپنے آپ کو تارک الدنیا کہتے تھے۔ مسلمان درویشوں میں آیا ہے اور اس تاویل کے تحت وہ اس کو اسلامی لفظ بھی نہیں مانتے۔

غرضیکہ جتنے منہ اتنی باتیں۔ کسی خدا کے بندے نے اپنی للہیت پرستی کے ماتحت بھول کر بھی اس کا یہ مفہوم نہیں سمجھا کہ لفظ صوفی کا تعلق صفائی ظاہری و باطنی سے بھی متعلق ہو سکتا ہے۔ یا صوفی صفا سے مشتق ہے اور اس کو اہل باطن اہل صفا پر استعمال کرتے ہیں، یا جو لوگ کدورت بشریت سے پاک وصاف ہو جاتے ہیں۔ ان کو صوفی کہا جاتا ہے۔ یا اصحاب صفہ کے باقیات صالحات صوفی کے لقب سے موسوم ہوتے ہیں۔ تاہم صوفی کے لئے کس قدر مقام شکر ہے کہ مخالفین باوجود شدت مخالفت کے بھی تصوف اور صوفی کا کوئی مبارک پہلو پیش نہیں کر سکے۔ ورنہ ان کے ہاتھ میں قلم تھا۔ کعبہ شریف پر عبادت کے لئے زندگی وقف کرنے والوں پر کوئی اور بھی بے سروپا الزام لگا دیتے۔ یا کعبہ کی بجائے کسی بت خانہ سے ہی منسوب کر دیتے، تو ان کا کوئی کیا کر لیتا۔ خدا کی پناہ۔ یہ یک طرفہ فیصلہ بھی عجیب معاندت ہے۔ کاش کہ وہ تصوف کا مادہ اشتقاق تلاش کرنے سے پہلے اور صوفی کو بدعتی کا لقب دینے سے پہلے ذرا ٹھنڈے دل سے اس پر بھی غور کر لیتے کہ یہ یونانی لفظ تھیا صوفی کا چربہ ہے۔ جس کے معنی حکمت خدا ہیں۔ پھر اس نقطۂ نگاہ سے صوفی کا اطلاق اس شخص پر کیا جائے گا جو حکمتِ خدا کا طالب ہو۔ صوفیاء دراصل وہی بزرگ تھے۔ جنہوں نے دنیاوی مشاغل کو ترک کر کے اپنی زندگی حکمت خدا کی تلاش اور چھان بین میں صرف کر دی۔ ایران میں تصوف کی تاریخ ایک طویل مدت کو گھیرے ہوئے ہے ــــ طوائف الملوکی کے زمانہ میں ایران کے ذہین طبقہ نے حکمت خدا کی طرف رجوع کیا۔ ان بزرگوں نے نہ صرف نفس انسانی اور اس کے وظائف کو ماپنے تولنے کی کوشش کی، بلکہ اپنے زمانہ کے استبداد کے خلاف بھی ایک خاموش قسم کا عدم تعاون بھی کیا اور اس کے علاوہ انسانی حقوق کی پامالی کے خلاف احتجاج کیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دنیا پرست اور جاہ پسند لوگوں نے ہمیشہ صوفیا کو ذلیل کرنے کی کوشش کی مگر ان صوفیائے کرام کے عملی کارنامے ہمارے سامنے

ہیں ۔ گو ان کا وجود دنیا میں موجود نہیں ۔ اس کے علاوہ وسلاطین بھی موجود نہیں ۔ جن کے تشدد اور بے رُخی کا ان کو تختۂ مشق بننا پڑا ۔ تاہم ہمارے دل میں ان جلیل القدر فرزندان اسلام اور انسانیت کے سچے عاشقوں کے علمی اور عملی آثار موجود ہیں جو ان کی عظمت کے زندہ شواہد ہیں اور انہی آثار کے ذریعہ قیامت تک ان کی یاد ہمارے دلوں میں محفوظ رہے گی ۔ کاش ہمارے ملک کے اہل علم حضرات اسلامیات کے اس اہم حصہ کی جانب بھی توجہ فرماتے ۔ جس سے معاندین تصوف کا یہ مغالطہ دور ہو جاتا ۔ فقیر کہتا ہے کہ اگر صوفی کا لفظ حضور علیہ السلام کے زمانے میں رائج نہ ہونے کی وجہ سے بدعت اور قابل نفریں ہے تو اہل حدیث ، اہل قرآن ، دیوبندی ، وہابی ، شیعہ ، احمدی ، مرزائی ، ندوی اور لیڈر کب رائج تھے کانگرسی ، لیگی ، احراری ، خاکسار نیلی پوش ، سرخ پوش اور خدائی فوجدار کہاں تھے ؟ حکیم الامت علامہ ، مولنٰنا ، مولوی کا کب ذکر ہوا تھا ؟ کبھی تو خوف خدا کے ماتحت مولائیت ، مولانیت یا مولویت کے الفاظ کا مادۂ اشتقاق بھی تلاش کرنے کے لئے قلم اٹھایا ہوتا ۔ کیا صحابہ کرام کی جماعت میں کوئی بزرگ مولوی ابوہریرہؓ یا مولنٰنا معاذ بن جبل یا ملاں ابن مسعود یا علامہ ابن عباس یا حکیم الامت ابن عمر رضوان اللہ علیہم اجمعین مشہور تھے ۔ اگر مخالفین کے اپنے گھر میں بدعت دھڑلے سے جاری ہے تو بچارے صوفی کے عجیب و غریب اشتقاقات بنا بنا کر کیوں شرمایا جاتا ہے ۔

این گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند

معترض اتنا بھی نہیں سوچ سکتا کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کوئی دوسرا تعظیمی لفظ مستعمل ہو ہی نہیں سکتا ۔ اس لئے کہ ان کے جتنے بھی فضائل تھے ، سب سے اشرف و اعظم ان کی فضیلت صحابیت میں تھی کیونکہ صحبتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام بزرگیوں اور فضیلتوں سے بڑھ کر ہے ۔ ان کا زہد ، فقر ، توکل اور عبادات صبر و رضا ، جو کچھ بھی ان کے فضائل تھے ۔ ان سب پر ان کا شرف صحابیت غالب تھا ۔ پس جب کسی کو لفظ صحابی سے ملقب کر دیا گیا تو ان کے فضائل کی انتہا ہو گئی اور باقی کوئی محل ہی صوفی یا کسی دوسرے تعظیمی لفظ کا نہیں رہا ۔ جس سے اس کو یاد کیا جائے ۔

اگر اس تقسیم خطابی پر ذرہ بھی غور کیا جائے تو سمجھ آ جائے گی کہ صوفی یا مولوی مذہبی

گروہ کی قسمیں نہیں بلکہ یہ آدمیوں کے اقسام ہیں۔ بعض آدمی صوفی منش اور بعض مولوی صفت ہوتے ہیں۔ بہرحال ہر مومن یا دین دار صوفی نہیں ہو سکتا بلکہ کوئی مومن ایمان و عمل صالح کے ساتھ جب موافق ہوتا ہے۔ تو اسی کو عام لوگ صوفی کہتے ہیں۔ اسی طرح جب مولوی بھی ایمان و عمل کے دائرہ میں قدم رکھتا ہے تو اپنی مولویت کے جس ایمان کو پاتا ہے اس پر مولویت کے لفظ کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ کیا یہ ظلم نہیں کہ تصوف کو تو اس قدر گرید ا جائے اور مولویت کے لئے غور بھی گناہ عظیم سمجھا جائے۔ کیا مولوی کا مادہ اشتقاق تلاش کرنے والے کو اس قدر وسیع میدان نہیں مل سکے گا۔ افسوس کہ آج یہ مسلمان، جن کے پاس لے دے کر قرآن وحدیث اور فقہ وتصوف کا ہی سرمایہ محافظ ایمان تھا۔ خود بخود اس کے نیست ونابود کرنے کے درپے ہو رہے ہیں۔ حالانکہ مسلمان کے پاس جو کچھ ہے سب کار آمد ہے اور بعض چیزیں اگر آج کار آمد نہیں سمجھی جاتیں تو کل (گذشتہ) تک وہ ضرور کار آمد چیزیں تھیں۔ فقیر کا مطلب ان الفاظ سے محض یہ ہے کہ جن بزرگوں نے جو کچھ کیا اپنے زمانے میں نور نبوت کے ماتحت کچھ دیکھ کر کیا اور وہ اس پہ مامور تھے، اب ان پہ نفرین کرنا یا یہ کہنا کہ ہمارے وقت کے لئے ان کی مساعی کار آمد نہیں کس طرح حق بجانب سمجھا جا سکتا ہے۔ صدیوں کی مخلصین اسلام کی محنتوں کو اکارت قرار دے دینا اور چند لمحوں میں ایک باخدا جماعت کے حق میں یک طرفہ معاندانہ ڈگری جاری کر دینا بڑی زود کاری ہے۔

ایسی ہی غلط فہمیوں کی اصلاح کے لئے جن میں اکثر علمائے ظاہر اور صوفیائے ناقص مبتلا رہتے ہیں۔ علامہ ابو النصر سراجؒ (۱) نے اپنی بابرکت تصنیف کتاب اللمع میں وہ کچھ ارشاد فرمایا ہے کہ جس کے پڑھ لینے کے بعد ایسے مشکوک واوہام قریب بھی نہیں پھٹکتے، چنانچہ فرماتا ہیں۔ کہ:-

"اللہ تعالے نے تمام مومنین سے بلند وبالا مرتبہ ان کا رکھا ہے جو اولی العلم اور قائمین بالقسط اور ملائکہ کے بعد انہی کی شہادت پیش کی ہے چنانچہ فرمایا شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ، شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ لا وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَ اُوْلُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ (۲) لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَ اُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ۔ اور آنحضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم

نے بھی علماءٔ کو جانشینِ انبیأ علیہم السلام ارشاد فرمایا ہے۔ سو یہ القاب میری تحقیق ہیں اُن لوگوں کے حق میں وارد ہوتے ہیں جو کتاب اللہ کا سررشتہ مضبوط تھامنے والے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کے پورے کوشاں اور صحابہؓ اور تابعینؒ کے نقشِ قدم پر چلنے والے اور اللہ تعالیٰ کے اولیاء متقین وصالحین کی راہ اختیار کرنے والے ہیں اور ایسے اشخاص کو طبقات سہ گانہ میں رکھا جاسکتا ہے۔

ایک طبقہ اربابِ حدیث کا ہے، دوسرا فقہائے کرام کا، تیسرا صوفیائے عظام کا، بس یہی طبقاتِ سہ گانہ اور الوالعلم اور قائم بالقسط کہے جانے کے مستحق ہیں جو انبیأ علیہم السلام کے جانشین ہوتے ہیں۔

بہت سے امور تو صوفیہ اور محدثین وفقہا کے درمیان مشترک ہی ہوتے ہیں اور جو عقائد اُن کے ہوتے ہیں کتاب اللہ اور سُنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی یہ اور وہ دونوں گروہ اپنے لئے واجب سمجھتے ہیں۔ علوم وفنون سے جس طرح وہ کام لیتے ہیں یہ بھی لیتے ہیں۔

لیکن اس اشتراک کے بعد صوفیاء انواع عبادات، حقائق طاعات اور اخلاق جمیلہ سے جن درجاتِ عالیہ اور منازل رفیعہ کو طے کرنے لگتے ہیں، وہاں تک علماءٔ ظاہر اور فقہا اور اصحابِ حدیث کی رسائی نہیں ہوسکتی۔ اور صوفیأ کی امتیازی خصوصیات سے جن میں دوسرے طبقات ان کے ساتھ شریک نہیں۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ان کی توحید بالکل خالص ہوتی ہے غیر اللہ سے وہ کسی صورت بھی دل نہیں اٹکاتے اور ان کو صرف اللہ ہی سے لگی رہتی ہے وہ اللہ ہی پر نظر رکھتے ہیں اور ان کا تمام تر مقصود ومطلوب اللہ ہی ہوتا ہے وہ قناعت کو اپنا شیوہ بنا لیتے ہیں۔ قلیل کو کثیر پر ترجیح دیتے ہیں۔ غذا لباس اور ہر قسم کے لباس دنیوی سے صرف احتیاج کو اختیار کرتے ہیں۔ بجائے تو انگری کے تنگدستی، بجائے سیری کے گرسنگی، بجائے افراط کے قلت، بجائے جاہ وحشمت کے تواضع ان کی پسندیدہ خصلتیں ہوتی ہیں۔ تمام علائق واسباب سے قطع نظر کرکے صرف رب العزت جل وعلا شانہ پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ نیکیوں اور طاعتوں کی جانب خلوص نیت کے ساتھ پیش قدمی کرتے

بلا یہ الٰہی پر صابر اور قضا الٰہی پر راضی رہنا ان کی فطرت ثانیہ بن جاتی ہے۔ ان کے تمام اوصاف و اخلاق سنتِ نبوی اور آثار صحابہؓ کی مطابقت میں ہوتے ہیں۔ گویا سب سے بڑا صوفی وہ ہے جو سب سے زیادہ عامل بالقرآن اور متبع سنت ہوتا ہے کیونکہ یہ لوگ جب عرصہ تک اپنے علوم و معلومات کے مطابق عمل کرتے رہتے ہیں تو اللہ کریم ان کو وہ علم بھی عطا فرما دیتا ہے جو پیشتر انہیں حاصل نہ تھا اور یہ علم ان ہی کے ساتھ مخصوص رہتا ہے۔ وہ ان کے نفوس میں تزکیہ اور قلوب میں جلا پیدا کرتا ہے۔ کثرت معاصی و شہوات، حب جاہ، طمع و حرص، خود پسندی وغیرہ سے جو زنگ الواح قلوب پر جما ہوتا ہے۔ وہ ڈھل جاتا ہے۔ اس وقت ان پر اسرار غیب منکشف ہو جاتے ہیں اور ان کی زبانیں حقائق عالیہ کی ترجمانی کرنے لگتی ہیں۔

یاد رکھئے کہ اسلام اگر فطری اور ابدی مذہب ہے تو اس کی روح تصوف بھی ابدی ہے اور جہاں تک تحقیقِ تصوف کے ساتھ زہد و عبادت اور مجاہدہ و ریاضت کی روشنی کا تعلق ہے۔ تصوف کی ابتداء خود آغاز اسلام ہی میں ہو چکی تھی۔ چنانچہ اس کے علم و عمل کے تحت (۳۳) حضور علیہ السلام کے زمانہ میں ایک مقدس و ممتاز جماعت نظر آتی ہے۔ جن کی طبقات ابن سعد میں حضرت عثمان بن مظعون، حضرت بابجی، حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابوذر غفاری رضوان اللہ علیہم اجمعین اور اصحاف صفہ ایسی جلیل القدر ہستیوں کی ایک فہرست ملتی ہے جو خود رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی منشاء کے مطابق اسلام کے دینی مقاصد کی تکمیل کے لئے قیام پذیر ہوئی۔ جن کا شیوہ یہ تھا کہ اپنی زندگی عبادت، تعلیم قرآن و حدیث اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت پذیری پر ہی وقف سمجھتے۔ ان کے معاش کے مختلف ذرائع تھے۔ کچھ لوگ تو جنگل سے لکڑیاں چن کر لاتے اور ان کو فروخت کر کے اپنے بھائیوں کے لئے کھانے پینے کا سامان مہیا کرتے۔ اکثر انصار کھجور کی پکی ہوئی شاخیں توڑ کر لاتے اور مسجد کی چھت میں لٹکا دیتے جو جو کھجوریں ان شاخوں سے ٹپک ٹپک کر گرتیں۔ یہ لوگ ان کو اٹھا کر کھا لیتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جب کہیں سے کسی قسم کا پاکیزہ کھانا آتا، تو حضورؐ ان کے پاس روانہ فرما دیتے اور جب دعوتوں پر ضروری سمجھتے، تو ان کو بلا کر ان کے ساتھ خود بھی کھانا تناول فرماتے۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا کہ حضور علیہ السلام اس جماعت کے افراد کو کھانے کے لئے مہاجرین و انصار پر تقسیم بھی فرما دیتے اور اپنی اپنی مقدرت کے مطابق ہر شخص ان میں سے

ایک ایک دو دو حضرات کو اپنے ساتھ لے جاکر کھانا کھلاتا۔ حضرت سعد بن عبادہؓ جو نہایت دولت مند اور مخیر صحابی تھے۔ بعض اوقات مسجد کے اسی ۸۰ اسی مہمانوں کو اپنے ساتھ لے جاتے اور کھانا کھلاتے۔ حسب تحقیق علامہ شبلیؒ ان حضرات کی تعداد چار سو کے قریب تھی لیکن ایک زمانہ میں اس قدر تعداد نہیں ہوئی اور نہ ہی صفہ میں اس قدر گنجائش تھی بلکہ یہ تعداد گھٹتی بڑھتی رہتی تھی۔ چنانچہ ان لوگوں کا مفصل حال علامہ ابن الاعرابی احمد بن محمد البصری المتوفی (۳۴۰ھ ہجری المقدس) جو ابن مندہ کے استاد تھے، نے ایک الگ تصنیف میں لکھا ہے۔

علامہ سیوطی رحمتہ اللہ علیہ نے بھی دو صفحہ کا ایک رسالہ اصحاب صفہؓ کے نام میں لکھا ہے۔ جس میں ایک سو آدمیوں کے نام بترتیب ہجا مذکور ہیں۔ اصحاب صفہ کا بخاری شریف باب المغازی وغیرہ میں اور صحیح مسلم میں جستہ جستہ مقامات پر ذکر گیا ہے۔ نیز مسند ابن حنبل (۴) اور کچھ اضافہ کے ساتھ زرقانی میں بھی درج ہے بلکہ بالوضاحت یوں بھی بیان ہوا ہے کہ ان لوگوں کے بال بچے نہ تھے اور جب شادی کر لیتے تھے تو اس حلقہ سے نکل جاتے تھے۔ یہ حضرات دن بھر بارگاہِ رسالتؐ میں حاضر رہتے اور حدیثیں سنتے اور رات کو چبوترہ پر پڑ رہتے۔ ان کے پاس چادر اور تہ بند دونوں چیزیں کبھی ایک ساتھ موجود نہیں ہوئیں۔ یعنی چادر ہوتی تو تہ بند نہ ہوتا اور تہ بند ہوتا تو چادر نہ ہوتی۔ چادر کو گلے سے اس طرح باندھ لیتے کہ رانوں تک لٹک آتی۔ جس کو پنجابی میں گلٹی مارنا کہتے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان لوگوں کا اس قدر خیال تھا کہ ایک مرتبہ حضرت خاتون جنت جگر گوشۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیداۃ النساء فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ عنہا نے چکی پیسنے سے ہاتھوں میں چھالے پڑ جانے کی شکائیت کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک کنیز کی درخواست کی تو حضورؐ نے فرمایا کہ یہ نہیں ہو سکتا کہ تم کو کنیز دوں اور صفہ والے بھوکوں مریں۔ سبحان اللہ صفہ والوں پر کتنی رحمت تھی۔

مگر ان مقدس انسانوں کی اس کیفیت کو رہبانیت سے کوئی تعلق نہ تھا بلکہ قرآن کریم میں۔ لَا يَسْـَٔلُونَ ٱلنَّاسَ إِلْحَافًا (وہ لوگوں سے سوال نہیں کرتے کہ گڑگڑانا پڑے) بعض مفسرین نے یہی جماعت مراد لی ہے لیکن اس کے برخلاف موجودہ دور کے بعض غرض پرست ملانوں نے تصوف کو بدنام کرتے وقت ان حضرات پر بھی اتہام لگا ہی دیا ہے۔ لاحول ولا قوۃ۔ اگر ایسا ہوتا تو حضور علیہ السلام ان کی حمائیت واعانت کیوں فرماتے بلکہ یہ جماعت

رہبانیت ا کے تحت علم وعمل کی بناء پر ممنوع قرار دے دی جاتی حالانکہ ایسا نہیں ہوا اور نہ ہوسکتا ممکن تھا۔ اہل دل ہمیشہ سے جہان میں موجود رہے ہیں اور اس وقت تک خدا کے فضل سے دنیا میں موجود رہیں گے۔ جب تک اس جہان کا قیام رہے گا اور خدائے واحد جل شانہٗ اپنے مقبول و پرستار بندوں سے دنیا کو ہمیشہ آباد رکھے گا اور اس کے عبادت گزار و مخلصین کبھی ذلیل وخوار نہیں ہوں گے۔ چونکہ یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ اسلام فطری اور ابدی مذہب ہے لہذا اس کی ظاہری و باطنی، صوری و معنوی حقیقت (تصوف) کو بھی بفضلہٖ تعالےٰ زوال ونقصان کا اندیشہ نہیں، خواہ معاندین و مادہ پرست اس پر ہزار حملے کریں۔ شعر

شور بختاں بآرزو خواہند　　　مقبلاں را زوال نعمتِ جاہ

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم　　　چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

پس اہل حرص و ہوا کی علالت اور ظاہریت کے حامیوں کی بطالت اس مسئلہ میں کبھی کامیاب نہیں ہوسکتی کہ خدائے واحد کے مقدس ذکر سے قلوب مومنین خالی ہوجائیں اور نفس کے بچاری حق پر فتح حاصل کرلیں۔

تصوف کی ابتدا

تصوف اپنے عملی پہلو کے لحاظ سے ایک وہ طریق کار ہے۔ جس کی ابتداء جیسا کہ بیشتر ازیں ذکر ہوا ہے۔ آغاز اسلام ہی میں ہو چکی تھی اور یوں کہنا بے جا نہ ہوگا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام (فداہ امی و ابی) کے باطنی و صدری کوائف اور ربّ العزت کے حضور میں وہ پاکیزہ و پسندیدہ ادائیں (جو اعلان نبوّت سے قبل اور اظہار نبوت کے بعد حصول معرفت وخوشنودی باری تعالےٰ کے معاملہ میں ظہور میں آئیں) کا نام تصوّف ہے مگر بعض مخالفین تصوف نے اہل تصوف کے تبتّل معاملہ میں اور ترکِ دنیا کے خیال کو جو کسی خاص سبب سے ایک وقت معین کے لئے اہل تصوف میں پایا گیا۔ نہایت غلط بیانی اور ہٹ دھرمی سے رہبانیت کی سرحد میں ملانے کی کوشش کی ہے اور یہ ان لوگوں کی علمی و اخلاقی کمزوری ہے کیونکہ وہ دیکھتے ہیں کہ ایک طالب علم حصول علم دین کے لئے ایک کاریگر حصول معاش کے لئے، ایک سیاح اپنے مشن کے لئے، ایک ملازم اطاعت حکمران کے لئے اگر سالہا سال تک گھر اور وطن سے دور رہتا ہے اور اس کی زندگی پر رہبانیت کا شبہ بھی نہیں کیا جاتا، تو پھر کیا یہ نافہمی نہیں کہ ایک حق کے

متلاشی نے اسی طالب علمانہ طریق پر اگر چند سال زہد و ریاضت میں گزار دیئے یا اصلاح نفس کے لئے کچھ عرصہ کسی پیر طریقت کے ارشاد پہ بادہ پیمائی کی تو اس پر جھٹ رہبانیت ٹھونس دی جائے۔ جبکہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، تابعین اور طبع تابعین کی مقدس جماعتوں میں بھی خود ایسے لوگ پائے جاتے ہیں۔ جن کا وہی عمل تھا جو آج کل کے ایک خدا شناس صوفی کا ہے اور حضور علیہ السلام نے ان کو صوفی کے اس کام سے نہ مطعون فرمایا اور نہ ہی ان کے اس عمل کو رہبانیت کی کڑی سے تعبیر کرنے کا حکم دیا۔

متصوفین حضرات کے تمام مضامین تصوف اور کتابوں میں یہ امر بطور قدر مشترک کے پایا جاتا ہے کہ تصوف اور صوفی پر تنقید کے وقت یہ لوگ مریدوں (صحابہ کرام) کو تو دیکھتے ہیں لیکن عین اسی وقت ان کے پیر (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) سے آنکھیں بند کر لیتے ہیں حالانکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ اگر ان لوگوں کی نظریں دونوں جانب ہوتیں تو ان کی بہت سی غلط فہمیوں کا خود بخود ازالہ ہو جاتا۔ افسوس کہ ان لوگوں کو یہ توفیق حاصل نہ ہوئی اور تعصب کے ماتحت یک چشم ہی رہے۔

اگر یک چشم بر بندم گناہیست　　　دگر با ہر دو بینم شرط راہیست

مقام غور ہے کہ کتنی تگ و دو کے ساتھ صوفیوں کے فعل چلہ کشی کو بدعت کا رنگ دے کر اچھالا جاتا ہے اور یہ محض اس لئے کہ ان لوگوں کے زعم باطل میں صوفی کا چلہ کشی کرنا رہبانیت کا جزو اعظم ہے۔ حالانکہ قرآن پاک میں حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسی اولوالعزمانہ اور پیغمبرانہ شان رکھنے والی متبرک ہستی کے لئے (چلہ) یعنی عبادت کے لئے چالیس دن کی میعاد مقرر فرمائی جانے کا بڑی وضاحت سے ذکر ہے۔ صوفیوں کی چلہ کشی کو اگر بے معنی اور خودکشی بھی مان لیا جائے تو یہ بتائیے کہ قرآن کریم کی اس اربعین (چلہ) میں کیا حکمت تھی۔ اگر مولا کریم موسےٰ علیہ السلام سے کوئی رازدارانہ بات ہی فرمانا چاہتے تھے تو یوں ہی بغیر چلہ (اربعین در شلشین) (۶) کے بھی فرما سکتے تھے۔ کیا حق تعالےٰ اس بات پر قادر نہیں (نعوذ باللہ) کہ پلاؤ قورمہ، قلیہ (۷) کھلا کر نرم قالین پر بیٹھے ہوئے ایک بندے سے مخاطبت فرمائیں ہو سکتا ہے اور ضرور ہو سکتا ہے۔ قرآن کریم کے ایک اور قصہ پر غور فرمائیے کہ ذکریا علیہ السلام اولاد کے لئے دعا فرماتے ہیں (۸) جواب میں یہ خوشخبری ملتی ہے کہ ہم تجھ کو یحییٰ نام کا بیٹا عطا فرمائیں گے۔ عرض کرتے ہیں۔ الٰہی وہ کیونکر ہو گا۔ میں بوڑھا ہوں اور بیوی میری بانجھ ہو چکی

ہے۔ فرمایا۔ ہاں ملے گا اور ضرور ملے گا۔ عرض کیا۔ کوئی نشانی فرمائی جائے۔ فرمایا تو تین دن خاموشی (چپ) کا روزہ رکھ اور بغیر اشارہ کے کسی سے بات نہ کر اور اللہ تعالے کا صبح و شام کثرت سے ذکر کر۔ حضرت زکریا علیہ السلام کو بیٹا ملا مگر تین دن کا یہ ایک مختصر سا چپ کا روزہ اور مجاہدہ بیٹے کے پیدا ہونے سے کیا تعلق رکھتا تھا۔ جب کہ بیٹا رب العزت کی رحمت اور مہربانی ہی سے ملنا تھا۔ معلوم ہوا کہ قدرت کے کچھ قوانین ہیں اور عموماً نتائج ان ہی قوانین کی پابندی سے حاصل ہوتے ہیں۔ اگر علمی تحقیق سے کام لیا جائے تو مجاہدہ کا سب سے بڑا رکن ایک چلہ کشی ہی ہے۔ جس کے بغیر مجاہدہ مکمل نہیں ہو سکتا۔ یہ فعل چلہ کشی حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی مخصوص چیزوں میں سے ہے اور تمام اولیاء کرام اسی کی برکات سے فیض یاب ہوتے رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ چلہ کے لئے مخصوص اور مؤکد مسائل میں سے ایک یہ مسئلہ بھی ہے کہ جس شخص کی بسر اوقات اپنی ذاتی اور قوت بازو کی کمائی پر نہ ہو۔ اس کو چلہ کشی نہ اختیار کرنی چاہیئے کیونکہ خیرات و زکوٰۃ کھانے والے آدمی کو اس راہ میں قدم رکھنا عبث ہے۔ اس لئے کہ مشتبہ روزی والا آدمی کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ بالخصوص قرض لے کر چلہ کشی میں روٹی کھانا تو زہر ہلاہل کا اثر رکھتا ہے۔ ہر قرض دار کو قرض ادا کر کے یہ شغل اختیار کرنا چاہیئے ورنہ سب کچھ رائیگاں جائے گا۔ صدقات و خیرات قرض کی وجہ سے شکم سیری بندے میں سستی اور غفلت کے علاوہ بے حسی، شقاوت قلبی اور بے غیرتی پیدا کرتی ہے۔

چلہ کے ساتھ نیت اعتکاف ضروری ہے اور مدت چلہ چالیس دن ہوتی ہے۔ جس کو قرآن کریم نے بھی اربعین (چالیس دن) فرمایا ہے۔ اور سرکار دوجہاں سرور کائنات، فخر موجودات سید الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چلہ مبارک غار حرا کا ذکر بھی احادیث میں بایں الفاظ آتا ہے۔ مَن اخلص اللہ تعالیٰ اربعین صباحاً ظہرت لہ ینابیع الحکمۃ علی لسانہ من قلبہ ط یعنی جس نے اللہ تعالے کے لئے چالیس دن خلوص سے گزار دیئے حکمت (رازداری) کے چشمے اس کے دل اور اس کی زبان پر چل پڑتے ہیں۔ یہاں یہ مسئلہ بھی یاد رہے کہ باطنی انکشافات کے لئے چلہ کشی میں پاکیزگی مکان وطعام نہایت ضروری ہے۔ کسی شے کا حلال اور جائز ہونا اور چیز ہے اور پاکیزہ ہونا اور ہے اور بحکم قرآن کریم جو حلال چیز پاک نہ ہو۔ وہ خبائث میں داخل ہے مثلاً مشرکین کے ہاتھ کا پکا، دکان اور گھر کا

کھانا ناپا کی میں سے ہے۔ جس کی مسلمان پرواہ نہیں کرتے۔ پھر حضور علیہ السلام کا یہ ارشاد حُبِّبَتْ عَلَیۡہِ الخَلَا۔ یہ خلوت کی تنہائی کیوں مرغوب کرائی گئی وَاذۡکُرِ اسۡمَ رَبِّکَ وَ تَبَتَّلۡ اِلَیۡہِ تَبۡتِیۡلًا ط کا ارشاد (یعنی یاد کر نام اپنے رب کا اور الگ ہو طرف اس کی الگ ہونا) (۱۰) سے کیا مطلب تھا۔ کیا اس سے مراد انقطاع عملیات سفلی اور استحکام عملیات سفلی اور استحکام عملیات علوی اور اہتمام خلوت و تنہائی ہی ثابت نہیں ہوتا تاکہ اللہ تعالےٰ کی عبادت میں کسی غیر کا لگاؤ نہ رہے۔ یہ غار حرا کا چلّہ اور اس کا سارا قصّہ جو بخاری اور مسلم کی سند سے مروی ہے۔ کیا ہے۔ یہ چند خشک کلچے اور بہت کم مقدار کے ستو لے کر مکہ معظمہ سے چند میل دور درندوں والے بیابان کی پہاڑیوں میں مسلسل راتیں گزارنا اور دشت عرب کی ایک ہیبت ناک کھوہ میں تن تنہا کالی گھڑیاں بسر کرنا چلّہ کشی نہیں تو اور کیا تھا اور پھر ایک بار نہیں۔ بروائیت ابن ہشام (مِنۡ کُلِّ سَنَۃٍ شَھۡرًا ط) یعنی ہر سال میں ایک مہینہ حضور علیہ السلام غار حرا میں چلّہ کشی فرماتے تھے۔ چنانچہ چودھویں صدی کے نامور مورخ اور فاضل محقق علامہ شبلی نعمانی نے اپنی کتاب سیرۃ النبی علیہ السلام کی جلد اوّل (۱۱) میں لکھا ہے کہ مکّہ معظمہ میں تین میل پر ایک غار تھا۔ جس کو حرا کہتے ہیں۔ حضور علیہ السلام مہینوں وہاں جا کر قیام فرماتے اور مراقبہ کرتے۔ کھانے پینے کا سامان ساتھ لے جاتے۔ وہ ختم ہو جاتا، تو پھر گھر تشریف لاتے اور پھر وہاں جا کر مراقبہ میں مصروف ہو جاتے۔ صحیح بخاری میں آیا ہے کہ آپ وہاں جا کر غارِ حرا میں تَحَنُّث، یعنی عبادت فرماتے تھے۔ یہ عبادت کیا تھی۔ عینی شرح بخاری میں ہے۔ قِیۡلَ مَا کَانَ صِفَۃُ تَعَبُّدِہٖ اُجِیۡبَ بِاَنَّ ذَالِکَ کَانَ بِالتَّفَکُّرِ وَ الۡاِعۡتِبَار ط (ترجمہ) یہ سوال کیا گیا ہے کہ آپ کی عبادت کیا تھی۔ جواب یہ ہے کہ غور و فکر اور عبرت پذیری اور یہ وہی عبادت تھی جو آپ کے دادا جان ابراہیم علیہ السلام نے نبوت سے پہلے کی تھی۔ ستاروں کو دیکھا تو چونکہ تجلّی کی جھلک تھی، دھوکہ ہوا۔ چاند نکلا تو اور بھی شبہ ہوا اور آفتاب پر اس سے زیادہ لیکن جب سب نظروں سے غائب ہو گئے تو بے ساختہ پکار اٹھے لَآ اُحِبُّ الۡاٰفِلِیۡنَ (۱۲) یعنی میں فانی غروب ہونے والی چیزوں کو نہیں چاہتا۔

ایک مغربی مورخ (۱۳) نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس عبادت کی کیفیت اس طرح ادا کی کہ۔ " سفر و حضر میں ہر جگہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں

ہزاروں سوال پیدا ہوتے تھے۔ میں کیا ہوں۔ یہ غیر متناہی عالم کیا ہے۔ نبوت کیا شے ہے۔ میں کن چیزوں کا اعتقاد کروں۔ کیا؟ کوہ حرا کی چٹانیں، کوہ طور کی سر بفلک چوٹیاں، کھنڈر اور میدان۔ کسی نے ان سوالوں کا جواب دیا۔ ہرگز، ہرگز نہیں بلکہ گنبد گرداں، گردش لیل و نہار چمکتے ہوئے ستارے، برستے ہوئے بادل، کوئی ان سوالوں کا جواب نہ دے سکے۔

نبوت کا دیباچہ یہ ہے کہ خواب میں آپ پر اسرارِ الٰہیہ منکشف ہونے شروع ہوئے اور جو کچھ آپ خواب میں دیکھتے تھے۔ بلعینہٖ وہی پیش آتا تھا (کیونکہ وحی کے انواع میں ایک خواب بھی ہے) جیساکہ صحیح بخاری کی شرح میں ہے۔ اَوَّلُ مَا بُدِئَ بِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْوَحْيِ الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ فِي النَّوْمِ ط چنانچہ بخاری کتاب التعبیر میں زیادہ صاف طریقہ پر یہ ادا کیا گیا ہے) ایک دن جب آپ حسب معمول غار حرا میں مراقبہ میں مصروف تھے، تو فرشتہ غیب نظر آیا جو آپ سے کہہ رہا ہے۔ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ط (۱۴) لیعنی پڑھ اس خدا کا نام، جس نے کائنات کو پیدا فرمایا۔ الاخر۔ آپ گھر واپس تشریف لائے تو جلال الٰہی سے لبریز تھے۔ طبیعت میں ایک اضطراب تھا جو جلال الٰہی کا تاثر اور نبوت کے بارگراں کی عظمت کا تخیل تھا۔ آپ نے کیا دیکھا۔ ناموس اعظم نے کیا کہا۔ کیا کیا مشاہدات ہوئے۔ یہ وہ نازک باتیں ہیں جو الفاظ کا تحمل نہیں کر سکتیں۔ اب اگر غریب صوفی اس سنت پر عمل کرے تو رہبانیت کا علمبردار کہلائے کیا عملی اسلام یہی ہے کہ فرعون کے تکئے، قارون کے خزانے، نمرود کے محل، مادر پدر آزادی کی ڈینگیں، شداد کی جنت، ہامان کے نرم قالین اور تبع ابلیس کے نسے تخت و بخت اور رئیسانہ چوچلے، جن میں نفس پرستی کے مکمل مستانہ مشاغل ہوں۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ۔ یاد رکھئے۔ صوفی کی جو کی مسنون روٹی اور غار حرا کے خشک ستو، خلو معدہ کی کڑکڑاہٹ اور دماغی خشکی ہی موجودہ مسلمانوں کے بناوٹی اسلام سے ہزار درجہ بہتر ہے جس میں ملکوتی وجود کا مکاشفہ اور ناسوتی شہود کا مکالمہ ہوتا رہتا ہے اور یہ صوفی کی خود ساختہ وہمی چیز نہیں بلکہ بانئے اسلام کی مستقل چلہ کی مقدس خیرات ہے۔ جیساکہ مسلم اور ترمذی میں حضور علیہ السلام کے لئے باصرہ پر عجیب و غریب انوار کی تجلیات غیبی ہستیوں کا ظہور اور یہ تصحیح محدث سہیلیؒ جبرائیل علیہ السلام سے پہلے آپ کو پہاڑ کی غار میں حضرت اسرافیل علیہ السلام کے ملکوتی وجود کا مکاشفہ مسلسل تین سال تک ہوتے رہنا اور اس کے بعد

جبرائیل امین علیہ السلام کے وجود کا وہ مشہور ناسوتی ظہور، جسے سب جانتے ہیں۔ یہ کس فعل کی برکات ہیں۔ یہی جس کو مخالفین صوفی کا بدعتی چلہ اور رہبانیت کی سرحد کا جوڑ قرار دیتے ہیں۔ اف۔ ہزار نکتۂ باریک ترز مو ایں جا است۔ ہم کہتے ہیں کہ صوفیوں اور فقراء میں مراقبوں اور مجاہدوں کا جو آئین قائم ہے اور ان میں بعض جو چشم بند و گوش بند و لب بہ بند اور بعض عالم تصوّر اور بعض عالمِ محویت میں مراقبے کا حظ حاصل کرتے ہیں۔ وہ اسی سنت نبویؐ کے اتباع میں بیٹھتے ہیں۔ روحانی ترقی اور عرفانی مشاہدوں کی بسم اللہ یہیں سے اور اسی طرح ہوتی ہے کیونکہ تصوف میں تزکیہ باطنی کے بغیر عرفانی مشاہدات نہیں ہوتے اور نہ انوار آسمانی کا نزول ہوتا ہے۔

کاش کہ یہ لوگ صوفیائے کرام کی عملی زندگی کے بعض حصوں پر نکتہ چینی اور تنقید کرتے وقت صحابہ کرامؓ ہی کی زندگیوں کو سامنے رکھتے تاکہ ان کو کسی صوفی یا پیر کا مقابلہ کرانے کے لئے پیرِ حقیقت (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے دستور العمل سے موازنہ کی آسانی ہو جاتی ہے اور وہ اس الجھن سے جو مریدوں (صحابہ کرامؓ) سے موازنہ کرانے سے اپنی جانوں کو جوکھوں میں ڈال لیتے ہیں۔ محفوظ ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ صحابہ کرام کی لکھوکھہا زندگیوں کا حال موجودہ زمانے کا ایک ہی متبع سنت پیر بیک وقت نہیں ہو سکتا اور پیر کا مقابلہ مرید سے کرانے میں بہت سے ایسے اشکال پیدا ہو سکتے ہیں۔ جن پر غور کرنے والا انسان خواہ مخواہ گمراہ ہو کر رہ جاتا ہے۔ مثلاً مقابلہ میں یہ کہنا کہ موجودہ صوفی کا حبس دم سے سبق پڑھنا یا نفی اثبات پکانا ایک خلاف اسلام طریق اور بدعت ہے کیونکہ یہ صحابہ کرام میں نہ تھا۔ فقیر کہتا ہے کہ اگر ایسا طریق عبادت بفرض محال صحابہ کرام میں سوائے چند ایک کے نہیں ملتا کیونکہ وہ ابتدائے اسلام میں تبلیغ اسلام اور مجاہدانہ سرگرمیوں میں اپنا وقت گزارنے کے باعث یہ صورت و طریق عبادت الٰہی اختیار کرنے کا وقت ہی نہیں پا سکے تو کوئی اعتراض کی بات ہی نہیں۔ ان کے اور ہمارے پیشوا سید الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تو پایا جاتا ہے۔ اگر یہ باور نہیں تو جو یہ حدیثوں میں غطہ کا لفظ آیا ہے، کے متعلق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں حَتّٰى ظَنَنْتُ اَنَّهُ الْمَوْت۔ میں نے خیال کیا کہ موت طاری ہو گئی ہے۔ اور جس کا ترجمہ زرقانی صہ ۲۴۶ میں یہی حبس النفس کیا گیا ہے۔ یہ کیا ہے۔ صوفی اگر حبس دم کرے تو اس کو گردن زدنی ٹھہرا کر جوگ واشراک کا حامل

قرار دے دیا جائے اور محدثین اگر غط یعنی حبس النفس رسول اللہ صلی اللہ علیہ السلام سے ثابت کر دیں تو ان کو کوئی ٹوکنے والا نہ ہوا ور طیالسی کی مشہور مسند سے اس کی تائید میں حدیث جرا کا یہ ٹکڑا بھی پیش کیا جاتا ہے کہ غط کے ساتھ جبرائیل علیہ السلام کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ فَاَخَذَ بِحَلْقِی (جبرائیل نے میرے حلق کو دبایا۔ یعنی سانس روک دی۔ آخر سانس روک دینے کا کیا نفع تھا۔ جب کہ عالم الغیب کا ادراک یوں بھی ہو سکتا تھا مگر باطنی قوا کا بیدار ہونا۔ یاد رکھو اس حبس نفس کو بھی ادراک کے لئے ایک فطری حالت قرار دیا گیا ہے۔ کاش کہ یہ خدا کے بندے جس چیز کے اہل نہیں۔ اس پر قلم نہ اٹھائیں اور اپنی بے خبری اپنے تک ہی محدود رہنے دیں۔ کسی مسئلہ کی عدم واقفیت ہوتے ہوئے اس پر قلم اٹھانا اور تمثیلات سے بحث کرنا۔ دوسرے لوگوں کی گمراہی کا باعث بنتا ہے اور ایسی حالت میں تمثیلی قیاس انسان کو غلط نتائج پر پہنچانے کا سبب بن جاتا ہے بلکہ یوں کہیئے کہ اکثر اوقات ایسے مسائل مثالوں میں سلجھانے سے کھیر جیسی نرم شے کو بھی ٹیڑھا بنا دیتے ہیں۔

صوفی اگر کسی باطنی آواز کا اظہار کرے یا الہامی کیفیت کا مدعی ہو جائے تو پکا مجرم ٹھہرے اور شہد کی مکھی کا وحی الہٰی کی نسبت دعوئے ہو تو یہ جائز اور قابل قبول، مکاشفہ قبر حیوانات کے لئے ثابت اور جائز کیونکہ حدیث شریف میں ہے اور اگر صوفی اس کا رازدار کہلائے تو گناہِ عظیم کا مرتکب۔ افسوس کہ لوگ انسانی شرافت و بلندیٔ مراتب اور اس کی خلافت کو نظر انداز کر چکے ہیں۔ ورنہ ان ہزلیات کو کام میں نہ لاتے۔ ایسے لوگوں کو معلوم ہونا چاہیئے کہ علم لدنی ظاہری عقل وحواس کے سوا دوسرے ذرائع سے بھی ممکن ہے اور ہمیشہ حق تعالےٰ ایسی نظیروں کو قائم رکھتا ہے۔ جن سے عقل وحواس کے توسط کے بغیر جاننا ثابت ہوتا ہے۔ کچھ نہیں تو ہر دس پانچ آدمیوں میں ایک آدمی ایسا پایا جاتا ہے جس کو ایسے سچے خواب آتے ہوں کہ بعض اوقات وہ حالات و واقعات جو ابھی ظہور پذیر ہونے والے ہوں۔ دیکھ لیتا ہے اور اس وقت دیکھ لیتا ہے جب وہ عالم خوابیدگی کی حالت میں ہو۔ خدانخواستہ اگر یہ نظائر نہ ہوتے تو عقل کے بندوں اور حواس کے اسیروں نے تو ارادہ کر ہی لیا تھا کہ جس طرح بے چارہ صوفی مالیخولیا کا مریض قرار دے دیا گیا ہے۔ اسی طرح پیغمبروں کو بھی اگر نیت کی نہیں تو فہم کی غلطی کا شکار ٹھہرا ہی دیا جائے۔ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذَالِکَ

پھر مخالفین تصوف و صوفی یہ اعتراض بھی کیا کرتے ہیں کہ یہ صوفی کہلانے والے لوگ جو اپنی قلبی اور سمعی و بصری کیفیتوں میں قبض و بسط کا تذکرہ کرتے ہیں۔ یہ محض برہمن کی تعلیم کا اثر اور ہندو درویشوں کی ویدانتی فیقری کا تتبع ہے اور حقیقت میں اسلام کی تعلیمات میں قبض و بسط کا مسئلہ ایک لایعنی ڈھکوسلہ ہے۔

ان مریض القلب مسلمانوں کی ایسی واہی تباہی باتوں سے (جو درحقیقت الحاد مغرب کی مخالطت اور دہریت کی موانست سے لی گئی ہیں) حیرانگی ہوتی ہے کہ یہ دردمندان اسلام جوش میں یہ خیال ہی نہیں فرماتے کہ مسلمانوں کے کسی حصہ عمل و دین پر حملہ کرنا خود اسلام کے کسی حصہ کو مجروح کرتا ہے۔ غریب مومن و مسلم جب بحکم لایومن احدکم حتی اکون احب الیہ من ولدہ و والدہ والناس اجمعین (۱۵) سب کچھ کسی پر لٹا چکا اور تمام کائنات کو چھوڑ کر کسی ایک کے قدموں سے لپٹ پڑا، تو کم از کم اس پر ایسی غداری کا الزام لگاتے ہوئے تھوڑی دیر کے لئے انہیں تحمل و غور سے کام لینا چاہیے کیا کوئی محمدی سرکار انبیاء محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں سے یہ چیزیں لے کر اپنے دین و اسلام میں داخل کر سکتا ہے۔ نیت کی غلطی دوسری چیز ہے لیکن ایسی تغلیط بھی تحقیق کے بعد ہونی چاہیئے۔ چند سنی سنائی سطحی باتوں پر مسلمانوں کے سواد اعظم اور تمام امت اسلامیہ خصوصاً فقرا اہل سنت والجماعت کو متہم کرنا شاید تجاوز عن الحد ہوگا ایک چلہ کشی، خلوت، سمعی، بصری، قلبی، مکاشفات و الہامات اور قبض و بسط پر کیا موقوف ہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کو دیکھنے والی آنکھ سے مطالعہ فرمایئے سب کچھ ملے گا اور بڑی کھلی ہوئی حقیقتوں کے ماتحت ملے گا۔ اس غار حرا کی وحی کے بعد بخاری شریف میں ہے: فترۃ ہوئی، یعنی وحی منقطع ہو گئی تھی لیکن اس کا اتنا اثر کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے آپ کو پہاڑ کی چوٹی سے گرا دینا بہ نسبت زندہ رہنے کے آسان خیال فرمانے لگے اور اپنے آپ کو گرا دینے کی نیت سے چڑھ بھی چکے تھے۔ جیسا کہ آیتہ شریف میں مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰی ط (۱۶) کے ماتحت بعض مفسرین حضرات نے لکھا ہے۔ اگر یہ صحیح ہے تو ہمارے صوفیار اگر اپنی قلبی کیفیت کی تعبیر کبھی بسط و قبض (۱۷) سے کرتے ہیں۔ تو کیا یہ کچھ اسی فترۃ ہی کا بنا بنایا نقش نہیں ہے۔ دیکھو صحیح بخاری کی شرح فتح الباری کی کتاب التعبیر جلد ۱۴ صفحہ ۱۰ مطبوعہ مصر میں ہے کہ چند روز

تک جب وحی رُک گئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گئے تاکہ اپنے آپ کو گرادیں کہ دفعتاً جبرائیل علیہ السلام نظر آئے اور کہنے لگے ۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ واقعی خدا کے پیغمبر ہیں ۔ جس سے آپ کو تسکین ہو گئی لیکن جب کبھی پھر وحی رُک جاتی تو آپ کسی پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ کر اپنے آپ کو گرادینا چاہتے تو پھر جبرائیل نمایاں ہو کر تسکین دیتے اور اس مسئلہ میں محدثین نے یہ بھی لکھا ہے کہ وحی کا بار بار رکنا اس لئے تھا کہ آپؐ رفتہ رفتہ اس کے برداشت کرنے کے عادی ہو جائیں ۔ اف کتنی سبق آموز باتیں ہیں ۔ جن کے بعض لطائف و اسرار کے نہ سمجھنے پر آج نام نہاد مولوی بحث کرتے ہوئے کہہ گزرتے ہیں کہ یہ سب کچھ ہند کے جوگیوں کا سرقہ ہے ۔ بہت سے ان افراد کو جو اپنے آپ کو قادری خاندان کا غلام سمجھتے ہیں بلکہ قادریہ بزرگوں سے خلافتوں کے بھی مدعی ہیں ۔ یہ کہتے سنا ہے کہ یہ قبض و بسط کے قصے جاہل صوفیوں کی اختراع ہیں ۔ ان کی حقیقت کچھ بھی نہیں ۔ حالانکہ حضرت سیدنا غوث الاعظم محبوب سبحانی شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ بھی اپنی انہی کیفیوں کا ذکر فرماتے ہیں جو حضور علیہ السلام کی فترۃ کے واقعات سے لفظ بلفظ متعلق ہیں ۔ یعنی آپؐ کا پہاڑ پر سے گرا کر اپنے آپ کو ہلاک کر دینے کے لئے محض اس لئے آمادہ ہو جانا ۔ بعض اوقات قلبی بندش کے متحمل نہ ہو سکنے کا نتیجہ تھا مگر ان قادری غلاموں کی تصوّف دشمنی کا کون علاج کرے ۔ درحقیقت یہی وہ لوگ ہیں جو قادریت سے کوسوں دُور ہو کر دوسرے لوگوں کو فریب دیتے ہیں اور دنیوی اغراض کے ماتحت قادری کہلا کر بزرگان دین کے تتبع سے روکنا چاہتے ہیں ۔ جن کا قادری کہلانا اور حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ سے نسبت کا اظہار کرنا بھی دربار غوثیت کی توہین پر منتج ہوتا ہے کیونکہ ان قادریوں کا باطن وہابیانہ اور ظاہر ایسا مولویانہ ہے کہ دیکھنے والا ان کی چکنی چپڑی باتوں سے ان پر قادری ہونے کا شبہ کر ہی بیٹھتا ہے ۔ حالانکہ ان کو خدا کے بندوں سے دُور کا لگاؤ بھی نہیں ہوتا ۔ ایسے ہی ایک قادری کہلانے والے مکار کی عملی کیفیت فقیر نے سُنی جس سے خوف پیدا ہوا کہ یہ لوگ کیا کرتے ہیں اور اس مسئلہ سے غافل ہیں کہ انہیں ایک دن خداوند عالم جل وعلا شانہٗ کے سامنے بھی جانا ہے ۔ ایک دیوبندی عقیدے کے آدمی نے ان قادری کہلانے والے مولوی سے پوچھا کہ کیوں صاحب وظیفہ "یا شیخ" پڑھنا شرعاً کیسا ہے ۔ مولوی صاحب کو یہ تو معلوم تھا ہی کہ سائل دیوبندی جماعت کا ایک سرگرم

رکن ہے۔ ممکن ہے صحیح جواب دینے سے مجھ سے بدگمان ہو جائے اور آنا جانا چھوڑ دے جواب دیا کہ بھائی زندہ خدا کو چھوڑ کر مردوں کو پکارنے کی کیا ضرورت ہے۔ یہ پکار تو فقیر کے نزدیک شرک کے قریب ہے۔ سائل جواب سن کر خوش ہوا اور ان قادری صاحب کی توحید پرستی کے گیت گاتا ہوا چلا گیا۔ پھر کسی دوسرے وقت اتفاق سے یہی مسئلہ ایک سچے قادری نے پیش کیا۔ مولوی نے دیکھا کہ اس کے ہاں سے گیارہویں شریف کی ماہانہ ایک دیگ اور انجمن کا چندہ آیا کرتا ہے۔ ہاتھ سے اس کو بھی نہیں کھونا چاہتے تھے۔ بڑی متانت سے جواب دیا کہ بھائی یہ بات بھی بھلا دریافت کرنے کی ہے۔ ان بزرگوں کے بغیر خدا تمہارا کیا لگتا ہے۔ جب ہماری پکاروں کو یہ نہ سنیں تو خدا کب سنتا ہے۔ وظیفہ "یا شیخ" ایک مبتدی کے لئے تو مشعل راہ ہے۔ میں نے سالہا سال پڑھا ہے اور اب تک پڑھتا ہوں۔ جب تک پوری محبت سے سرکار بغداد کو پکار نہ لوں۔ بخدا قلب میں چمک نہیں آتی اور مرجھایا سا رہتا ہے۔ **شعر**

نہیں ہم کو مفر اصلا بجز حضرت کی خدمت کے

ٹھکانا خلق کا بندے خدا کے ہیں، جو کامل ہیں

پھر کسی تیسرے وقت میں یہی سوال کوئی اور سائل کرتا ہے تو اس کو جواب ملتا ہے کہ میاں یہ کسی جاہل کی اختراع ہے۔ جس سے پرہیز لابدی ہے۔ ایسے لایعنی وظائف بجائے منزل پر لے جانے کے گمراہ کرتے ہیں اور جہلا کا فعل کوئی حجت نہیں ہوتا۔ ایسے گمراہ کن وظائف سے توبہ کر کے ہمیشہ کے لئے اپنے آپ کو بچاؤ۔ **لاحول ولاقوۃ الاّ باللّٰہ** یہ ہے وہ ایمان و ایقان کا بلند درجہ، جس کی بنا پر یہ لوگ پیران عظام کو طعن کرتے ہیں اور خود مشیخیت کے مدعی بنتے ہیں۔ اور بعض تو ان لوگوں سے وہ ہیں۔ جن کو سوائے کتابی تصوف کے اور کچھ بھی یاد نہیں ہوتا۔ بزعم خود صوفی ہیں اور اصلاحات صوفیہ میں جا و بیجا استعمال سے بہت غلو کرتے ہیں۔ محسوسات میں مقید، کشف و سلوک سے بے بہرہ، مشاہدہ کی ہوا تک نہیں لگی مگر کتابی معلومات اور عقل کی طبع آزمائیوں کے بل بوتے پر دوسرے لوگوں کو بہکاتے ہیں ہر وقت سعی لاحاصل کا انہماک رکھتے ہیں اور اس بدنیتی و کور باطنی کا نام خدمت دین ٹھہراتے ہیں۔ پھر قریباً قریباً یہی حال بعض لوگوں کا بھی ہے کہ جو حضرات نقشبندیہ رحمہم اللّٰہ تعالےٰ کی اطاعت کے علم بردار کہلاتے ہیں۔ حالانکہ مجددیت اور

نقشبندیت کا سارا دارومدار انہی کیفیتوں اور لطائف و اسرار پر ہے۔

ایک مرتبہ ایک نقشبندی صاحب کہنے لگے۔ یہ جو لطائف ستہ کا تذکرہ فقیروں میں ہوتا ہے۔ اس کا کیا ثبوت ہے۔ ہم نے تو آج تک ان لطائف کی صفائی سے اخلاقی عزائز و خصائل کے اندر اعتدال پیدا ہوتا نہیں دیکھا اور نہ ہی اس کی کوئی دلیل بزرگانِ سلف بلکہ صحابہؓ میں سے ہماری معلومات میں آئی ہے۔ فآہا۔ ثم آہا ثم آہا۔ ان سے کون کہے کہ ممکن ہے کہ صحابہؓ کی زندگی میں اس کی نظیر نہ ملے مگر پہلے بھی ذکر کیا جا چکا ہے کہ عمل کے لئے صرف مریدوں ہی کی زندگی کو کیوں لیا جاتا ہے۔ شیخ کی زندگی بھی سامنے رکھی جانی چاہیئے۔ آخر بتایا جائے کہ حضور علیہ السلام کے واقعہ شق الصدر (سینہ کا چیرا جانا) کی کیا توجیہہ ہے۔ جس کے متعلق شاہ عبدالعزیز محدثؒ کی تحقیق یہ ہے کہ شق صدر کا واقعہ پانچ دفعہ پیش آیا اور وہ سینہ شق کیا گیا جو اوّل ہی سے انوارِ الٰہی کا گنجینہ اور اسرارِ توحید کا خزینہ تھا۔ کیا ایسے مولویوں کے پاس کوئی شرح و توجیہہ اس واقعہ کی ہے کہ سینہ چاک ہوا۔ قلب مبارک نکالا گیا۔ کوئی سیاہ سی چیز اس سے نکالی گئی۔ طشت زریں میں کوئی چیز برف کی مانند لائی گئی۔ جس سے قلب اطہر دھویا گیا۔ نور تاباں سے بھرا گیا۔ اور اس سے قلب نبی علیہ السلام پر مُہر کی گئی۔ جس کی ٹھنڈک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت تک بھی محسوس ہوتی رہی۔ جب پچاس سال کی عمر کے بعد بھی آپ اس واقعہ کو مدینہ منورہ اصحابؓ سے ذکر فرما رہے تھے، مگر خون کا نکلا، نہ ٹانکے لگے، نہ تکلیف ہوئی اور یہ سب کچھ ہو بھی گیا۔ اگر صوفی حضرات لطائف و اسرار کے ان مسائل کو ہم تک نہ پہنچاتے تو شاید ہم ان تمام باتوں کو خواب و خیال ہی کہہ کر ٹال دیتے۔ جیسا کہ واقعہ معراج شریف کے متعلق بعض لوگوں کو ذہول ظاہر ہو چکا ہے۔

مثل مشہور ہے۔ متعصب بات کہے انہونی۔ جس سے تعصب ہو اس کی نیکی بھی بدی دکھائی دیتی ہے اور جس سے پیار ہو۔ اس کا عیب بھی ثواب نظر آتا ہے۔ موجودہ دنیا پرست مسلمان چونکہ مذہب کے پاکیزہ اصولوں سے کانگرسی پنڈتوں کی صحبت و تعلیم کے ماتحت بہک گیا ہے۔ اس لئے صوفی کا ہر اسلامی فعل اس کو عیب دکھائی دیتا ہے۔ وہ مذہب کو نہرؤں اور گاندھیوں کی عینک سے دیکھتا رہا ہے۔ اس لئے ان کے پیار کی وجہ سے گم کردہ راہ کو ایک زمانہ بھر کا مکار مہاتما نظر آتا ہے مگر اپنا صوفی اسلام کا دشمن

اور گمراہ لاحول و لا قوۃ الا باللہ ۔ پھر صوفیوں کے سیر و سلوک پر صرف طعن ہی نہیں کیا جاتا بلکہ ان کے برخلاف پارسیوں کی کتابیں دکھائی جاتی ہیں کہ ان کا کوئی مؤید محسوس اور نامحسوس شہادت و غیب کے جہانوں سے گزرتا ہوا فردوس بریں تک پہنچا ہے ۔

دور کی کوڑی لائے کہ صوفیوں کا ماخذ مل گیا ۔ لیکن کاش کہ اتنی طویل مسافت طے کرنے کی بجائے کبھی آیت معراج شریف پر ہی نگاہ ڈال لیتے تو پارسیوں کی کتابوں سے بہت پہلے ان کو بخاری و مسلم کے اوراق میں ان آیات کبریٰ کا حال کھل جاتا ۔ جن کا کچھ پتہ کبھی کبھی بیچارے صوفی بھی دیتے ہیں مگر کیا کیا جائے یا تو قرآن کریم اور بخاری و مسلم سے واقعہ معراج شریف حذف کر دیا جائے یا ان کے لئے دربار نبوت سے چودھویں صدی میں طریق کار کی کوئی نئی مشعل راہ مانگی جائے ۔ کیا ان مومنین کا یہی فریب خوردہ ایمان نہیں ، جس نے ان کو تصوف سے بہکا کر اور مدینہ منورہ کے تعلقات سے قطع کر کے کسی نئی نبوت کے دروازے پر جا کھڑا کیا ہے ۔ عیاذاً باللہ

پھر صوفیوں کے اس فعل پر بھی اعتراض کیا جاتا ہے کہ ان کا طریقہ اعداد صلوٰت و تسبیحات غیر شرعی ہے اور گن گن کر ذکر الٰہی کرنے کا کیا فلسفہ ہے اور اس کی عقلی ضرورت کیا ہے ۔ ؎

پیر جی جب گناہ کریں تو کرتے ہیں ان گنت
نام لیتے ہیں خدا کا تو لیتے ہیں گن گن کے

لیکن یہ وجہ صرف غریب صوفیوں اور پیروں ہی سے کیوں پوچھی جاتی ہے ۔ ان سے بھی پوچھی جانی چاہیئے ۔ جن کے نزدیک نمازوں کی رکعتیں عددی ، تسبیحات بھی عددی ، رکوع بھی عددی ، سجدے بھی عددی ، تحمیدات عددی ، تکبیرات بھی عددی ، تہلیلات بھی عددی ، روزے بھی عددی اور زکوٰتیں بھی عددی ہوتی ہیں ۔ افسوس کہ دوسرے کی آنکھ کا تنکا بھی قابل اعتراض اور اپنا شہتیر غائب ۔ کبھی تو اپنی چارپائی کے نیچے بھی یہ تحقیق کی ڈنگوری پھیر لی ہوتی ۔ اگر ریاضیات کو قرب الٰہی میں دخل نہیں ہے تو یہ صوفیوں ہی سے کیوں پوچھتے ہو ۔ سرکار انبیاء علیہ السلام سے اور ام الکتاب سے پوچھا ہوتا ۔ یہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی اربعین ، ذکریا علیہ السلام کے تعداد صوم ، سال بھر کے مہینوں کی تعداد ، ایام حج کی خاص گنتی ، عزیز علیہ السلام کے معدود ایام بیہوشی اور اصحاب کہف کی مدت خواب کیا

ہیں۔ خدا کی پناہ تعصب کے میدان میں صوفی کا کون سا پہلو ہے۔ جس پر اعتراض نہ کیا جاتا ہو۔ غیر کی تو تمام بے اعتدالیاں بھی باعث تحسین مگر صوفی کی عبادت اور زہد، قناعت و توکل علی اللہ بھی قابل نفرین ہیں بلکہ ان کی روٹی تک تو نہیں بھاتی۔ اور کچھ نہیں تو معترض یہی کہہ دیتا ہے کہ یہ کما کر نہیں کھاتے۔ یہ قوم کے لئے بار ہیں۔ یہ توکل کے پردے میں ھڈ حرام ہو کر بیٹھ گئے ہیں۔ انہوں نے تعطل کا نام توکل رکھ لیا ہے۔ یہ لوگوں کو لوٹتے ہیں۔ ان کے گھروں میں بجلی کے ہنڈے جلتے ہیں، مگر مرید بھوکا مرتا ہے۔ خدا جانے انہوں نے سہل انگاری کا اور احدی پن کا نام توکل کس طرح رکھ لیا ہے وغیرہ وغیرہ۔ تعصب وجہالت بھی کتنی بری چیزیں ہیں۔ خدا رحم فرمائے۔ ہوشمند کی بھی آنکھیں سی دیتی ہیں۔ کیا پیر اور شیخ کی یہی تعریف ہے کہ وہ بھوکا پیاسا، ننگا دھڑنگا، جنگل اور غلیظ مقامات میں پڑا رہے کیونکہ معترض کو اس کے گھر کا تموّل چبھتا ہے اگر اتنا ہی بغض وحسد تھا تو قرآن کریم سے سورۂ اعراف رکوع ۱۰ کی آیت ۳۲ پڑھ لی ہوتی۔ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ؕ قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ۔ مولا کریم فرماتے ہیں کہ زینت دنیا، جو بیش قیمت لباس اور ستھرے پاکیزہ کھانوں کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کی ہیں اور انمول جواہرات اور لذیذ ماکولات ومشروبات ان سب کچھ کو کس نے حرام کیا ہے بلکہ یہ تمام اسباب آسائش و آرائش اور انعام واکرام سب مسلمانوں اور ایمان داروں کے لئے ہی تو ہیں۔ کہا گیا ہے کہ عمدہ لباس اور طیب کھانا، اچھا مکان، بہترین سواریاں، املاک وجائیداد، امارت وسلطنت مومن کے لئے ناجائز و معیوب نہیں ہیں۔ کیونکہ صحیح حدیث سے ثابت ہو چکا ہے کہ بلا تکلف زندگی بسر کرنا، میلے کچیلے پھٹے پرانے کپڑے سے ننگ نہ کرنا ایمان کی واضح نشانی ہے۔ رب العزت کو اگر مومنین کو یوں ذلیل وخوار اور فقر وفاقہ میں دیکھ کر خوش ہونا مقصود ہوتا تو زکوٰتیں، صدقات اور حج جیسی بے بہا رقوم خرچ کرنے والی عبادات فرض نہ فرماتا۔ ان عبادات کی فرضیت اور ان کی لاگت ہی بتا رہی ہے کہ رب العزت جل وعلا شانہٗ کو سرکار دوجہاں

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں کی کوئی متموّل، حکمران صاحب ثروت اور غیور و پرشوکت جماعت پیدا کرنا مقصود تھی۔ جن تنگ نظروں اور کم ظرفوں کو ایک پیر طریقت کے گھر میں بجلی کے چراغ جلنا اور قالین کا فرش پر نظر آنا ناگوار ہو۔ وہ کیا جانیں کہ مولا کریم نے اپنے مقبول بندوں کے لئے کیونکہ دین و دنیا کے انعامات مرغوب فرمائے ہیں اور وہ کن کن وعدوں کے ماتحت ان کو اولو العزمانہ شان میں دیکھ کر خوش ہوتا ہے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ جس قوم کے راہنما گداگر، ذلیل، مفلوک الحال اور خانماں برباد ہوں۔ وہ قوم دنیا میں سلطان و حاکم، مختیر و حاتم، بلند اقبال، بخشش کرنے والی اور ملک کی مالک ہو سکے۔ ہرگز نہیں اور یہی وجہ ہے کہ خداوند عالم کی یاد سے محروم انسان دنیا و عقبیٰ کے انعامات سے بھی محروم و بے نصیب رہتا ہے۔ اس کی اپنی محرومی دوسروں کے اکرام پر جلاپے کا سبب بن جاتی ہے۔ علامہ ابن جریرؒ نے کیا مزے کی بات کہی ہے کہ جس شخص نے روئی اور کتان کا کپڑا باوجود حلال اور قادر ہونے کے نہ پہنا اور اس کی جگہ اون یا کم حیثیت بوریا پہنا، گیہوں اور پلاؤ کا کھانا ترک کر کے مسور کی دال اور ساگ پات پر گزارا کرنا شروع کر دیا، یا شہوت کے خوف سے گوشت کھانا بند کر دیا۔ اس نے سخت خطا کی۔ میسر ہوتے ہوئے اللہ کی نعمتوں سے محروم ہونا قطعاً کفران نعمت ہے۔ علامہ اقبالؒ مرحوم نے یہاں کتنے بلیغ انداز سے اس حقیقت سے پردہ اٹھایا ہے ؎ (۱۸)

کیا فقر ترے وہم میں ہے جوگ کا نقشہ
فطرت کے تقاضوں کو کرے دم میں جو برباد

اے مرد خدا تجھ کو وہ قوت نہیں حاصل
جا بیٹھ کسی غار میں اللہ کو کر یاد

مسکینی و محکومی و نومیدیٔ جاوید
جس کا یہ تصوف ہو وہ اسلام کر ایجاد

اسلام ہے وہ چشمہ عنایات خدا کا
جس سے ہوتے شیخ پہ انعام خداداد

مگر ہاں تقوےٰ و طہارت، زہد و ریاضت، وساوس و خطرات، شب بیداری وغیرہ کے پیش نظر اور جسم کو قائم رکھنے کی ضرورت سے زائد نہ کھانا مسنون اور افراط و تفریط

سے بچ کر اعتدال کے ساتھ تزکیہ کرنا مستحسن ہے لیکن معاندین نے بات کا بتنگڑ بنا کر صوفی کی پرہیزگاری پر کیچڑ اچھال ہی دیا ہے کہ یہ جوگیانہ زندگی گزارتے ہیں۔ جس کا کوئی ثبوت نہیں۔ پناہ بخدا۔ فراخی کا رزق کھاتے ہیں تو نشانہ طعن بنتے ہیں اور اگر کنارہ کش ہوتے ہیں تو رہبانیت کے حامل کہلاتے ہیں۔ جائیں تو کہاں ؟ کریں تو کیا ؟ حالانکہ یہ مسئلہ صوفیوں کی کتاب میں نہیں بلکہ نام نہاد مولویوں ہی کے صحیفہ ترمذی شریف میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بطحا کی زمین پیش کی گئی کہ سونا کر دی جائے مگر حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم بارگاہ رب یوم النشور میں التجا فرماتے ہیں۔ لا یارب اجوع یوماً و افطر ط یعنی اے رب میرے مجھے بطحا کی زمین ساری کی ساری سونا بنوا لینے کی ضرورت نہیں۔ میں ایک دن بھوکا رہوں گا اور ایک دن کھاؤں گا۔ اس کے علاوہ کس قدر عجیب بات ہے کہ جب خندق کی دعوت پر جابر رضی اللہ عنہ کے چند سیر آٹے سے سینکڑوں صحابیوں کا پیٹ بھرا جا سکتا تھا تو اس قدرت والے نے اس خندق کے مقام پر اپنے پیٹ سے دو دو بندھے ہوئے پتھر کیوں کھول کر دکھائے تھے۔ قرآن حکیم میں حکم ہوتا ہے۔ وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (ترجمہ) اللہ کے بندے اپنے آپ پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں حالانکہ خود وہ نادار ہوتے ہیں (۱۹) کیا معترض اس کا ترجمہ سمجھ سکتا ہے۔ افسوس کہ خدا کے نیک بندوں سے اپنا منہ پیٹ کر بھی دکھا دے کی زہرخندگی کی جاتی ہے۔ پہاڑ کی جلتی نظر آتی ہے۔ اپنے پاؤں کی نظر نہیں آتی۔ پیر صرف مسنون لباس پہنے تو معترض جل بھن کر کوئلہ ہو جائیں اور خود خزانے جمع کریں تو پاک باز اور نظروں سے اوجھل رہیں۔ "بریں عقل و دانش بباید گریست" مضمون لکھنا مقصود نہیں، ورنہ یہ حقیقت پوری طرح واضح کر دی جاتی کہ یہ نافہم کہاں تک حق بجانب ہیں۔ اصل مطلب یہ ہے کہ جب کسی دین کا آغاز ہوتا ہے تو اس وقت پیغمبر کی حیثیت شیخ اور مرشد کی ہوتی ہے اور ان کے تابعداروں کی حیثیت صحابہ اور مریدین کی۔ پھر جب اپنا کام کر کے امت سے نبی واپس تشریف لے جاتے ہیں تو ان کے ساتھ ان کے صحابہ و مریدین بھی، اور دوسری نسل ظہور پذیر ہو جاتی ہے تو اس وقت ظاہر ہوتا ہے کہ امت میں دونوں (نبی و صحابہ) کی نمائندگی ہونی چاہیئے۔ زیادہ گروہ ان لوگوں کا ہوتا ہے جو صحابہ کی نمائندگی کرتے ہیں اور زندگی کے مختلف شعبوں میں کام

کرتے ہوئے دین پر اپنے قدم مضبوط جمائے رہتے ہیں لیکن ہر دس بیس ہزار مسلمانوں میں قطعاً ایک ایسی ہستی کی بھی ضرورت ہوتی ہے جو شیخ کی صورت میں پیغمبر اسلام کی نمائندگی بھی کرے۔ انہی حضرات کو ورثۃ الانبیاء کہا جاتا ہے۔ فقیر یہ عرض کر چکا ہے کہ ممکن ہے کہ ان وارث الانبیاء میں بعض باتیں ایسی بھی پائی جاتی ہوں، جو صحابہ میں نہ ہوں۔ لیکن ان کے متعلق یہ چیز دیکھنے ہی کی نہیں ہوتی بلکہ دیکھنا یہ ہے کہ پیغمبر علیہ السلام کے خصوصیات کے ظلال اور ان کے عکوس ان میں پائے جاتے ہیں یا نہیں مغالطہ سارا یہ ہے کہ امت میں جن کو شیوخ یا عام اصطلاح میں پیر کہا جاتا ہے۔ ان کو لوگ صحابہ پر قیاس کرنے لگتے ہیں۔ حالانکہ صحابہ میں تجار بھی تھے، صناع بھی تھے، سب کسان بھی تھے، باغبان بھی تھے، سپاہی بھی تھے، سردار بھی تھے، عادل بھی تھے۔ والی بھی تھے۔ سب کچھ تھے اور ان شیوخ میں اکثر ہر چیز سے الگ ہو کر صرف دین ہی کے لئے ہوجاتے ہیں۔ إِنَّا أَخْلَصْنَٰهُم بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى ٱلدَّارِ ﴿۴۰﴾

حاصل مطلب یہ ہے کہ ان کی زندگی کو صحابہ کی زندگی پر نہیں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے معیار پر جانچنا چاہیئے۔ اگر علم شریعت ہے تو اپنے دل سے پوچھئے کہ جب ام المومنین حضرت خدیجہ الکبریٰ رض کا انتقال ہوگیا تھا تو اس کے بعد سرکار انبیاء محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ذریعہ معاش قبل فتح خیبر کیا تھا جو ۸ھ میں فتح ہوا تھا۔ کیا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیغمبرانہ عہد میں کوئی معاشی ذریعہ اختیار کیا؟ کوئی کسب کیا؟ کوئی نوکری کی یا ادر کیا کیا؟ آخر آپ کی زندگی کس طرح گزرتی تھی؟ حضرت مشائخ کرام رحمہم اللہ کی عملی زندگی کے سوا اس کا اور کیا جواب ہو سکتا ہے۔ لیعنی مریدوں سے جو پہنچا۔ وہ قبول فرمالیا۔ اس کے علاوہ حضرت ام المومنین رض کی وفات کے بعد حضورؐ کی معاش کی اور تشریح کیا ہو سکتی ہے؟۔ اظہارِ نبوت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں جہاں صوفیانہ معاش کا یہ بیّن ثبوت ملتا ہے۔ اس کے ساتھ صبح سے شام تک دربار رسالت میں حاجتمندوں کا دعا کے لئے حاضر ہونا۔ لوگوں کا اپنے خوردسال بچوں کو سامنے لانا۔ ان کے سر پر ہاتھ رکھوانا۔ حضورؐ سے حضورؐ کے دہن مبارک میں چبائی ہوئی کھجوریں لے کر بچوں کو چٹانا۔ آپ کی استعمال شدہ ایک ایک چیز کو بطور تبرک حاصل کرنا اور برکت کے لئے اپنے پاس محفوظ رکھنا۔ دُور دُور سے

آئے ہوئے مہمانوں کی رہائش و خورد و نوش کا انتظام کرنا۔ کیا اسی نقشہ کو پیش نہیں کرتا جو آج اور آج سے قبل ہم اور ہمارے متقدین کی اسلامی خانقاہوں میں دیکھ چکے ہیں یا دیکھتے چلے آئے ہیں۔ دربار رسالت میں آنے والے وفود اور ان کے حالات ہی اگر کو پڑھ لے تو صاف معلوم ہو جائے گا کہ سرکار انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرب کے شمال و جنوب سے، مشرق و مغرب سے انہی ضرورتوں کے لئے لوگ آتے جاتے تھے۔ جن کے ضرورتوں کے ماتحت آج بھی بزرگان طریقت کے پاس فوج در فوج دنیا چلی آ رہی ہے۔

مسلمانوں کے لئے جب یہ بات متحقق ہو گئی کہ ہم میں سے اللہ تعالےٰ کسی ایک کو یا دو کو رسول علیہ السلام کی زندگی کے لئے منتخب فرماتا ہے تو انہی لوگوں کا نام عرف عام میں شیخ یا پیر و مرشد ہوتا ہے۔ الفاظ بدلتے رہیں گے۔ حقیقت یہی رہے گی کہ ان سے رسول علیہ السلام کی نمائندگی کا کام ہو رہا ہے۔ اب شیخ وقت سے منصب تبلیغ و اصلاح کے کام میں کس قدر اور جس حد تک حضور علیہ السلام کی نمائندگی ظاہر ہو گی۔ اسی قدر اس کے ہم صحبت یا مرید بھی ایمان و عمل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے قریب ہوں گے اور جس درجہ تک بے چارہ شیخ رسالت کی نمائندگی میں (نعوذ باللہ من ذالک) کمزور ہو گا۔ اس کے مرید بھی اسی قدر صحابہ سے دور ہوتے جائیں گے۔ اللہ کریم رحم فرمائے۔ جوں جوں دوائے دل کے بیچنے والے اپنی دو کانوں کو بڑھاتے چلے گئے، توں توں یہ جنس نایاب نام نہاد مولویوں کی انشائی تحریروں کا شکار ہو کر رہ گئی ہے۔ اس بحث سے عوام کو ایک اور مغالطہ بھی ہوتا ہے کہ جب اسلام کے مشائخ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کی نمائندگی کرتے ہیں تو ان کا مرتبہ صحابہ کرام سے بھی بڑھ گیا۔ لاحول ولا قوۃ۔ معترض کے خیال میں یہ کیوں لازم آیا۔ مسلمان بادشاہ بھی ہوتے ہیں۔ تاجر بھی ہوتے ہیں اور کسان بھی ہوتے ہیں اور ان کو ہر قسم پر ہونا چاہیئے۔ اب ہر ایک اپنے مشاغل کے ساتھ ساتھ ایمان و عمل کے جس مرتبہ کو حاصل کرے گا۔ آخرت میں نجات و قرب کے اسی درجہ کا وہ مستحق ہو گا۔ مسلمان تاجر بھی مقام ولایت حاصل کر سکتا ہے اور بادشاہ بھی سپاہی بھی اور کفش دوز بھی۔ یہ کس نے کہا کہ جنت فلاں فلاں بن باسی ہی کے لئے وقف ہے مگر یہ یاد ہونا چاہیئے

کہ خود کو طاہر بنانا کچھ اور ہے۔ مطہر ہونا کچھ اور۔ معاشی وسائل کی حقیقت کچھ اور ہے، اور مدار کار ایمان و عمل کچھ اور ہے۔ جن کی نگرانی کے لئے ایسے نفوس کا ہونا لازمی ہے اور یہ کام از خود زورِ بازو سے نہیں کیا جا سکتا بلکہ ہر لحظہ فضل ایزدی کے شامل حال ہونے کی ضرورت ہوتی ہے۔ کسی شخص نے حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمتہ اللہ علیہ سے سوال کیا کہ آج کل آپ کا کیا مشغلہ ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ انسانیت کے صحیفہ کی تصحیح، غلطیوں کو کاٹتا ہوں اور صحیح کو درج کرتا ہوں اور یہی رسالت کی نمائندگی ہے۔ یعنی ان بزرگوں نے دنیا کے تمام مشاغل میں سے اپنے لئے اسی مشغلہ کو پسند فرمایا جو ہمارے آقا سید انس و جاں صلی اللہ علیہ وسلم کا حیات طیبہ ظاہری میں تھا۔ حافظ شیرازی نے کیا خوب لکھا ہے ؎

زاہدِ ظاہر پرست از حالِ ما آگاہ نیست
در حق ما ہر چہ گوید جائے ہیچ اکراہ نیست

تصوّف اور کتاب وسُنّت

یہ زمانہ بہت نازک زمانہ ہے۔ علوم دینیہ کے متعلق لوگوں میں عجیب وغریب خیالات اور طرح طرح کے تصورات پیدا ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ مغربی الحاد کی تند و تیز آندھیاں اٹھ رہی ہیں۔ جنہوں نے اس دنیا میں ایک قیامت برپا کر رکھی ہے اور ان کی بدولت ملک کے نوجوانوں اور تعلیم یافتہ لوگوں کے عقائد بالکل متزلزل ہو گئے ہیں۔ وہ نہایت بے باکی بلکہ دیدہ دلیری سے دین سے انکار اور دینی تعلیمات سے نفرت کا اظہار کر رہے ہیں۔ کبھی وہ احادیث کی بے ضرورتی پر زور دیتے ہیں اور کبھی وہ تصوف کے وجود ہی سے انکار کر دیتے ہیں۔ پھر ان ہی پر کیا منحصر ہے۔ پاکستان میں ایک طبقہ ایسا بھی موجود ہے جو تصوف کی اصل واساس ہی کا سرے سے قائل نہیں۔ اور اعلانیہ کہتا ہے کہ یہ جدید اختراع اور بدعت ہے۔ حالانکہ یہ

سخت غلطی اور شدید مغالطہ ہے۔ جیسا کہ ہم اس سے پیشتر ذکر کر چکے ہیں کہ تصوف کی ابتدا بھی دیگر علوم دینیہ کی طرح حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے عہدِ مبارک سے ہوئی ہے اور یہ عہد رسالت اور عہدِ صحابہ میں بھی جلوہ گر رہا ہے۔

ہاں اتنا ضرور ہوا ہے کہ اس صداقت پر مختلف قسم کی اختراعات کا ایک ہلکا سا غبار بیٹھ گیا ہے اور تصوف کی جو حالت قرونِ اول کے بزرگانِ دین میں جلوہ گر تھی، عہدِ حاضر میں اس کی صورت اس سے کچھ متفاوت ہوگئی۔ اس تغیر کی وجہ اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ اہل ہوا نے دنیا طلبی کے لئے ہر زمانہ میں اپنے اغراض و مقاصد کی پیش بندی کے واسطے ایسی باتوں کو مذہبی پیرایہ میں پیش کرنا شروع کر دیا ہے، جن کی کتاب و سنت میں کوئی اصل نہ تھی اور رفتہ رفتہ وہی باتیں جزو دین سمجھ لی گئیں۔ چونکہ ان ماننے والوں میں اپنے جاہل پیشواؤں کی تقلید و حرمت کا جوش بے پناہ تھا اور وہ ان کی ہر بات کو بمنزلہ وحی سمجھنے کے خوگر ہو چکے تھے۔ اس لئے انہوں نے اس کی تحقیق کے لئے کتاب و سنت کی طرف رجوع نہ کیا۔ جس کا اثر یہ ہوا کہ مرورِ زمانہ کے ساتھ تصوف کا چشمہ صافی گدلا ہوگیا۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ تصوّف اس مبارک زمانہ میں اس نام کے ساتھ موجود نہ تھا مگر اصحاب صفہ میں یہ اپنی تمام حقیقت اندوزیوں کے ساتھ جلوہ گر تھا اور ان کے بعد تابعین و تبع تابعین یکے بعد دیگرے اس نعمت سے یکساں طور پر برابر مستفید ہوتے رہے۔ یہاں تک کہ وہ دور آیا کہ یونانیوں کے فلسفۂ الٰہیات یا حکمتِ اشراق نے معشر اسلام میں ایک اختلال کی صورت پیدا کر دی۔ عین اس وقت صوفیائے کرام کی توجہ اس طرف مرکوز ہوئی مگر اس نازک دور میں ایک نئی مصیبت یہ پھیل گئی تھی کہ بعض مصنفین کو یہ جنون لاحق ہو چکا تھا کہ وہ خواہ مخواہ یا فلسفہ کی مصطلحات اور ان کے مفاہیم کو وحی الٰہی سے تطبیق دینے کی فکر کرنے لگے تھے اور اس سعی میں ٹھوکروں پر ٹھوکریں کھاتے چلے جا رہے تھے (لفظ تصوف کا اشتقاق نہ صُوف ہے نہ صفّہ، جیسا کہ حضور غوث اعظمؒ نے لکھا ہے اور حضرت امام غزالیؒ نے بھی بیان کیا ہے کہ یہ مشتق ہے لفظ صفا سے صوفی کی جو تعریف بزرگان دین نے کی ہے۔ وہ یہ ہے کہ جو اخلاق رذیلہ سے پاک اور اخلاق فاضلہ سے متصف ہو کر اپنے اوقات طاعات و عبادات میں گزارتے ہوئے آگے بڑھے، وہ صوفی ہوتا ہے) لیکن ہم اپنے تجربہ کی بناء پر جو کچھ سمجھ سکے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ انسان شریعت اسلامیہ کی اساس پر قائم رہتے ہوئے روحانی ترقی کرے اور اس کا باطن نورِ الٰہی سے منور

ہو جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ تصوف ایک ایسا علم باطنی ہے۔ جس کی حقیقت لفظوں میں بیان نہیں کی جا سکتی۔ جو اس سبزہ زار میں اترتا ہے۔ وہی اس کی سرشاریوں، اور فائز المرامیوں کو سمجھ سکتا ہے۔ جس طرح دنیا میں اور علوم بھی ہیں۔ جیسے علوم عقلیہ، علوم دینیہ، علوم لطیفہ وغیرہ وغیرہ جو بیشتر ظواہر سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس طرح علوم باطنی بھی ہیں۔ جن کا تعلق باطنی ترقی سے ہے۔ لیکن جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں کہ اس کی اساس شریعت ہی ہوتی ہے۔ لہٰذا حقیقی صوفی وہی ہوتا ہے جو شریعت کا پورا پورا پابند ہو اور اسلام کی تعلیمات سے سر مو تجاوز نہ کرے۔ سنت کے جادہ کو تلاش کر کے اس پر گامزن ہو ویسے تو مجذوبین بھی اس دنیا میں ہیں اور ان میں بھی بڑے بڑے باکمال اور صاحب حال بزرگ موجود ہیں۔ جن کو دنیا والے مجنوں و دیوانے یا جو دل چاہے کہیں اور علمائے کرام بھی شریعت کی عدم پابندی کی بناء پر جو چاہیں لکھیں مگر یہ حقیقت ہے کہ انہیں دنیا اور اغراض دنیا سے کوئی سروکار نہیں ہوتا اور یہی ان کے کمال کی دلیل ہے اور اسی سے ان کے علو مرتبہ کے متعلق کسی حد تک قیاس کیا جا سکتا ہے۔ حقیقت میں تصوّف بھی دیگر علوم کی طرح ایک علم ہے۔ جس طرح کوئی شخص موسیقی، ریاضی اور فلسفہ وغیرہ کو اسی صورت میں سمجھ سکتا ہے کہ وہ کم از کم ان علوم کی مبادیات سے واقف ہو۔ اسیطرح علم تصوّف کی حقیقت سے آشنا ہونا آسان نہیں۔ اسے وہی شخص سمجھ سکتا ہے جو مجاہدات ریاضات، تصفیہ قلب، تزکیۂ نفس، مشاہدات، مراقبات، کیفیات اور واردات قلبی پر عبور رکھتا ہو۔ یہ مصطلحات بھی ایسی ہیں کہ سائنس کی مصطلحات کی طرح محض ان کا نام معلوم ہونے سے کچھ حاصل نہیں ہو سکتا۔

حیرت ہے کہ وہ علم، جس کی اساس شریعت حقّہ ہے۔ اسے بھی لوگ اسلام سے الگ اور غیر بتانے میں باک نہیں کرتے اور یہ وہ لوگ ہیں جو نہ خود شریعت کی روح سے واقف ہیں۔ نہ ہی وہ اس پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔ ہاں اعتراض کرنے میں وہ بڑے سرگرم ہوتے ہیں۔ حالانکہ علوم ظاہری قال سے اور علوم باطنی حال سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس لیے یہ علم کسی عارف کامل کی صحبت و توجہ کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا دارومدار اور تعلق محض اس کا علم حاصل کر لینے سے نہیں بلکہ عمل سے ہے اور سچ پوچھو تو عمل اور فقط عمل ہی تصوف کا نظری ... عملی رُخ ہے۔ بغیر عمل کے تصوّف بادۂ

بے کیف، گل بے رنگ اور نغمہ بے اثر ہے۔ عمل کے بغیر تصوف کی روح تک نہ کسی کو رسائی ہوئی ہے، نہ ہو سکتی ہے۔ رہا یہ امر کہ اس کی حقیقت عام طور پر عقول عامہ سے بالاتر ہے، تو یہ بھی کوئی بات نہیں۔ علم موسیقی کو لیجئے۔ اس کی مصطلحات اور اس کے نغموں کے متعلق تصریحات پڑھ کر اس وقت تک کسی کے پلے کچھ نہیں پڑھتا۔ جب تک وہ اسے حاصل کرنے کے لئے عملی ریاضت نہ کرے۔ کسی چیز کی حقیقت نہ سمجھنے سے اس کی نفی لازم نہیں آتی۔ معراج، نبوت، رسالت اور معاد وغیرہ وہ دینی مسائل ہیں۔ جن پر ایمان لانا ہر مسلمان کے لئے لازمی و لابدی ہے لیکن اگر کوئی مسلمان اپنی عقل سے کام لینا چاہے تو وہ قیامت تک بھی ان کی حقیقت معلوم نہیں کر سکے گا۔ البتہ علم تصوّف ہی ایک ایسی چیز ہے جو ان سب کی گرہ کشائی بھی کر دیتا ہے۔ علامہ ابن جوزی جو بڑے پایہ کے بزرگ گزرے ہیں۔ انہوں نے بھی بڑے شد و مد کے ساتھ تصوّف سے انکار کیا ہے مگر بے معنی جیسا کہ رشح الانوار میں امام عبد الوہاب شعرانی نے لکھا ہے کہ صوفیوں کے برخلاف ہر زمانہ میں اعتراض و انکار کئے جاتے رہے ہیں۔ جن کا سبب یہ رہا کہ جس مقام تک یہ بزرگ پہنچ چکے تھے۔ عقول عامہ وہاں تک پہنچنے سے قاصر رہی تھیں مگر کبھی انہوں نے اس کی پرواہ نہیں کی۔ حضرت امام نے یہ بھی صاف لکھا ہے کہ اہل تصوف کا طریق انبیاء علیہم السلام کے قدم بقدم چلنا ہے۔

تصوف سے مراد وہ حقیقی نورِ علم ہے جو کتاب و سنت پر بشدت تمام عمل کرنے سے اولیاء اللہ کے دلوں کو چمکا دیتا ہے۔ حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کس رتبہ و شان کے بزرگ گزرے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ مجتہدین شریعت اور مجتہدین طریقت سب راستباز ہیں۔ جنہیں اللہ نے اپنی شریعت کی خدمت کے لئے منتخب فرمالیا ہے۔

سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم اہل تصوّف کا علم کتاب و سنت ہی سے استوار و مستحکم ہوتا ہے۔ لوگ حضرت شبلیؒ کو دیوانہ سمجھتے تھے۔ آخر انہیں اور ان کے ساتھ متعدد صوفیاء کو گرفتار کر لیا گیا۔ سوالات بھی ان سے وہ کئے گئے، جو نہایت فقہی سوالات تھے لیکن انہوں نے ایسے واضح جوابات دیے کہ سب لوگ دنگ رہ گئے۔ آخر ان لوگوں کو انہیں رہا کرنا پڑا۔

حضرت امام ابوتراب بخشیؒ نے فرمایا ہے کہ جب کوئی شخص خدا کی طرف سے مُنہ پھیر لیتا ہے تو اس کی پہلی علامت اور پہلا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ اولیاء اللہ کے متعلق زبانِ طعن دراز کرنی شروع کر دیتا ہے۔ حضرت شیخ محمد مغربی شاذلیؒ فرمایا کرتے تھے کہ اہلِ طریقت کی حقانیت پر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کا واقعہ شاہد ہے کیونکہ جیساکہ قرآن کریم فرماتا ہے کہ حضرت موسےٰ علیہ السلام نے ان سے کہا تھا کہ آیا میں اس شرط پر آپ کی پیروی کروں کہ آپ مجھے اپنے خداداد علم سے صلاح و تقویٰ کی تعلیم کریں۔ گویا جس طرح شریعت کا حاصل کرنا ضروری ہے۔

عین اسی طرح علم طریقت کا حصول بھی ضروری ہے۔ حضرت شیخ محی الدین ابن عربیؒ نے حضرت امام فخر الدین رازیؒ کو لکھا کہ اگر آپ کسی اہل اللہ کی مجلس میں بیٹھکر حقیقت شریعت سے آگاہی حاصل کریں تو وہ آپ کو بہت جلد شہودِ حق کے مرتبہ تک پہنچا دے گا۔ جس سے آپ کو بلا تکلّف خدائے تعالےٰ کی طرف سے علوم حقیقت معلوم ہونے لگیں گے۔ آپ کو واضح رہنا چاہیئے کہ استدلال سے جو علم حاصل ہوتا ہے۔

اس کو علم حقیقت کے ساتھ کوئی نسبت ہی نہیں کیونکہ فکر و نظر چند عقلی ڈھکوسلوں کا نام ہے وہ علم حاصل کیجئے۔ جس سے آپ کی ذات کو حقیقی کمال حاصل ہو اور مرنے کے بعد بھی ساتھ جائے۔ علوم وہی ہیں جو وہبی طریق پر اور بروئے مشاہدہ خدا تعالےٰ کی طرف سے عطا ہوتے ہیں۔ ان کے علاوہ جتنے علوم ہیں۔ ان کا فائدہ صرف انسان کی زندگی تک محدود ہے لیکن یہ علوم خلوت و ریاضت، مشاہدہ اور جذب الٰہی کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتے اور اہل حقیقت کے علوم کا حصول ایمان اور تقویٰ پر منحصر ہے کیونکہ خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (۲۱) وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِم بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ۔

(ترجمہ) اگر ان بستیوں کے رہنے والے ایمان لاتے اور اتقاء اختیار کرتے تو ہم ان پر زمین و آسمان سے برکات کے دروازے کھول دیتے۔" اس آیت میں ارضی و آسمانی برکات سے مراد ظاہری برکات کے علاوہ موجودات ارضی و سماوی کے اسرار و حقائق بھی ہیں اور ایسے علوم حقیقت کے انکشاف مراد ہے جو علویات، سفلیات اور عالم جبروت و ملکوت اور انوار و ملکوت کے متعلق ہو سکتے ہیں۔ پھر یہ آیت کریمہ (۲۲) وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ط سے مراد جسمانی اور روحانی دونوں رزق ہیں۔

فرمان نبوی ؐ ہے ۔ ان لکل آیۃ ظھر و بطناً وحداً او مطلقا الیٰ سبعۃ البطن ۔ اس میں ظاہر سے مراد وہ احکام شرعیہ ہیں ۔ جن کی پابندی سے اعمال صالح بجا لائے جاتے ہیں اور باطن سے مراد اسرار و معارف ہیں جو کمال ایمان و تقوٰے پر مترتب ہوتے ہیں ۔ قرآن معارف و اسرار کا گنجینہ ہے ۔ وہ ان لفظ پرستوں سے مخفی رکھا گیا ہے ۔ جن کے معنے میں اہل حق کی تردید و تکذیب کے سوا اور کچھ نہیں آیا ۔ یہ لوگ معارف حقائق کو اہل حقائق کی زبان سے سن پاتے ہیں تو بجائے اس کے کہ وہ اپنی کم عقلی کا اعتراف کریں ، کہہ اٹھتے ہیں کہ سلف میں سے تو کسی نے یہ بات نہ کہی تھی ۔ یہی وہ لوگ ہیں جو مشائخ عظام رحہم اللہ کے فیضان باطنی سے محروم رہ جاتے ہیں ۔

حضرت شیخ ابوالحسن شاذلیؒ فرماتے ہیں کہ ایک ولی اللہ اور اس کے کمال باطنی کا اندازہ کرنے کے لئے چشم بصیرت کی ضرورت ہے ۔ چنانچہ شیخ ابن تیمیہ نے ہمارے زمانہ میں اس امر کی نسبت بہت تجاوز کیا ہے اور بعض نے ان حقائق سے بھی انکار کیا ہے ۔ جن کی اصلیت مسلم و محکم ہے ۔ لطف یہ کہ اختلاف ہے اور ایسے امور کے متعلق ہے ۔ جن کا تعلق مقام ولایت سے ہے ۔ اس کا سمجھنا نہ نام نہاد محدثین کا کام ہے اور نہ علماء سُو کا ۔ اس لئے کہ یہ لوگ تو بجز معتقدات اور احکام جائز و ناجائز کے کچھ بتلا ہی نہیں سکتے ۔

اِن کے تو یہ امر ذہن نشین ہو چکا ہے کہ کتاب و سنت کا سمجھنا صرف علماء ہی کا کام ہے ۔ قرون اولیٰ میں بھی صوفیائے کرام موجود تھے اور وہ اس وقت تک کسی کو اپنے حلقہ بیعت میں نہ لیتے ۔ جب تک یہ نہ دیکھ لیتے کہ اسے احکام شریعت کا پورا علم ہے اور ان کی مجالس میں کتاب و سنت ہی کے اذکار رہتے تھے لیکن اسرار حقائق و معارف کے بیان کے لئے علیحدہ مجالس بھی ہوتی تھیں ۔ جن کی وجہ یہ تھی کہ قاصر الفہم لوگ بعض اعمال میں بدعقیدہ ہو کر متہم کرنے لگ جاتے تھے ۔

بعض صحابہ کرام اور ائمہ اہل بیت مثلاً حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ سرچشمۂ نبوت سے ہم نے بعض ایسے علوم بھی حاصل کیئے ہیں کہ اگر انہیں ہم تم پر ظاہر کر دیں تو کافر کہنے لگو ۔

فی زمانہ بھی بعض لوگ بے تکلفی کے ساتھ کہہ دیا کرتے ہیں کہ محض شریعت کی پابندی تزکیۂ نفس کے لئے کافی ہے ۔ یہ ضرور ہے کہ انسان اس طرح ترقی کر سکتا ہے

مگر مقام اعلیٰ صرف شیخ کامل کی بیعت پر منحصر ہے۔ علمائے ظاہر میں ہر زمانہ میں غرور، غضب طلب جاہ، ریا اور حرص وغیرہ دیکھے گئے ہیں اور ان خصوص میں وہ عام دنیاداروں سے ممیز نہیں ہوتے لیکن علمائے باطن میں پوری بے نفسی جلوہ گر ہوتی ہے۔ شیخ عزیزالدینؒ ایک بڑے محدث گزرے ہیں۔ جو کہا کرتے تھے کہ صوفیاء بدعات پھیلانے والا ایک طبقہ ہے بھلا کتاب وسنت کی پیروی کے علاوہ کوئی اور طریق ہو سکتا ہے لیکن ایک موقع پر دمیاط کی ایک مجلس میں بڑے بڑے مجتہدین، محدثین، و فقہا، شیخ مکین الدینؒ اور شیخ تقی الدینؒ وغیرہ جمع تھے۔ شیخ عزیزالدینؒ بھی پہنچ گئے۔ حضرت امام قشیریؒ سے رسالہ تصوف کی بعض عبارتوں کے متعلق گفتگو شروع ہو گئی۔ اس دوران میں شیخ وقت شیخ ابوالحسن شاذلیؒ بھی تشریف لے آئے۔ ان سے کچھ فرمانے کی درخواست کی گئی۔ ان سے کچھ فرمانے کی درخواست کی گئی۔ ان کے اصرار سے مجبور ہو کر شیخ نے جو تشریح شروع کی تو شیخ عزیزالدین کی یہ حالت تھی کہ بے اختیارانہ پکار اٹھے کہ سنو سنو یہ وہ کلام ہے جو ابھی ابھی بارگاہ خداوندی سے نازل ہوا ہے اور جس سے حقانیت کے انوار چمکتے نظر آرہے ہیں۔ حضور غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ ہمیشہ سے یہی طریق چلا آتا ہے کہ کوئی فیض دیتا ہے اور کوئی لیتا ہے اللہ تعالیٰ کسی کو تربیت کے بغیر مقامات عالیہ تک نہیں پہنچاتا ہے۔

حضرت امام حنبلؒ اور حضرت شیخ عزیزالدینؒ کتنے بڑے اور یگانہ روزگار محدثین گزرے ہیں، مدت تک صوفیا کا انکار کرنے کے بعد آخر انہیں سے فیض حاصل کرنے پر مجبور ہو گئے۔ حالانکہ اوّل الذکر کی یہ حالت تھی کہ اپنے بیٹے کو زور و شور سے نصیحت فرماتے رہتے تھے کہ کہیں ان صوفیاء کی صحبت میں نہ بیٹھنا کہ یہ لوگ احکام شریعت سے بالکل بے خبر ہوتے ہیں لیکن حضرت ابوحمزہؒ کی صحبت میں کیا پہنچے کہ آنکھیں کھل گئیں۔ پھر بیٹے کو بھی نصیحت کرنے لگے کہ ان کے متعلق بھی سوءِ ظنی سے کام نہ لینا۔ یہی صورت حضرت شیخ عزیزالدینؒ کو حضرت شیخ ابوالحسن شاذلیؒ کی خدمت میں جا کر پیش ہوئی۔ کہا جا سکتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ اگر یہ علم اتنا ہی ضروری تھا، تو صحابہ کرام نے علانیہ اس طرح تلقین کیوں نہ کی اور اس وقت ایسی صوفیانہ مصطلحات کیوں نہ پیدا ہو گئیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ زمانہ مبارک تھا علانیہ اس کی تبلیغ کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ فیوض باطنی کا کام خاموشی سے جاری تھا۔

لیکن جب زمانہ پُر آشوب ہوا۔ فتنہ پھیلا۔ لوگ دنیا کی طرف کثرت سے راغب ہوئے لگے۔ اور نوبت یہاں تک پہنچ گئے کہ فلسفہ نے عقائد پر بجلیاں گرانی شروع کیں۔ انوارِ سنت کی چمک کم ہو چلی تو بہ اشارۂ غیبی علمائے باطنی جو حقیقت میں وارث علوم نبوی اور گانبیائے بنی اسرائیل تھے۔ اس طرف متوجہ ہوئے اور انہوں نے تزکیۂ نفوس اور تصفیۂ قلوب کے لئے سعی شروع کر دی۔ خود امام قشیریؒ نے لکھا ہے کہ امراض باطنیہ کے ظہور کا زمانہ تیسری جماعت یعنی تبع تابعین کا آخری دَور ہے۔

متاخرین میں حضرت حافظ ابن حجرؒ کتنے بلند پایہ محدث گذرے ہیں۔ فتح الباری شرح صحیح بخاری انہی کی لکھی ہوئی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہر طالب خدا کو چاہیئے کہ وہ اپنی رہنمائی کے لئے کسی شیخ کامل کو منتخب کرلے اور منکرین کی تعصب آمیز باتوں میں ہرگز نہ آئے۔ یہ خیال رہے کہ جو شیخ بھی ہو اور عارف بھی ہو۔ کامل ہو۔ احکام شریعت وحقیقت کا ماہر ہو۔ اس کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ رسم وعادات کے اسلام سے برطرف ہو جائے اور اپنے شیخ ہی کے حکم پر چلے اور جب کسی کو ایسا رہبر مل جائے تو پھر اس کے لئے حرام ہے کہ وہ اس کا دامن چھوڑے۔ آپ نے یہ بھی لکھا کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں۔ کتاب اللہ اور سنت نبویؐ، اجماع امت اور قیاس چاروں کی پوری پوری شہادت سے کہہ رہا ہوں۔ یہی نہیں بلکہ چاروں آسمانی کتابیں اس دعویٰ پہ شاہد ہیں۔

الغرض باالفاظ مختصر تصوف یا طریقت نام ہے راہ خاص کا جو بہت دشوار ہے اور جس میں مجاہدات اور ریاضیات کی کٹھن منازل عبور کرنا پڑتی ہیں اور شریعت نام ہے راہِ عام کا جو آسان ہے اور جس کی پابندی عوام وخواص دونوں کے لئے ضروری ہے۔

کتاب وسنت کے اتباع کامل میں جب تک نفس پر جبر وتشدد کا تعلق رہتا ہے۔ شریعت کہلاتی ہے اور جب یہ اتباع ذوق وشوق سے ہونے لگتا ہے۔ عبادات اور اعمال نیک میں لذت محسوس ہونے لگتی ہے۔ قال سے حال تک نوبت پہنچ جاتی ہے تو اسے طریقت کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ اتباع کتاب وسنت خواہ نفس پر جبر ہی سے ہو نجات اخروی کے لئے کافی ہے اور اسی لئے

ہیں۔ اس لئے خدا بھی انہیں برگزیدہ بنا لیتا ہے۔ مستجاب الدعوات ہوجاتے ہیں اور جو کہتے ہیں۔ خداوند عالم پورا فرما دیتا ہے۔ جو خدا کا کہنا مانتے ہیں۔ خدا بھی ان کا کہنا مانتا ہے کیونکہ ان کے سامنے صرف رضاء الٰہی ہوتی ہے۔ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْآ اَشَدُّ حُبًّا لِلّٰہِ ط (۲۳) کے مصداق ہوتے ہیں۔ اس والہانہ اطاعت و رضا جوئی میں ایک وہ وقت بھی آتا ہے۔ جیسا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ خدائے قدوس فرماتا ہے کہ میں بندہ کی آنکھ بن جاتا ہوں۔ جس سے وہ دیکھتا ہے۔ کان بن جاتا ہوں۔ جس سے وہ سنتا ہے۔ پاؤں بن جاتا ہوں، جن سے وہ چلتا ہے۔ ہاتھ بن جاتا ہوں جن سے وہ کام کرتا ہے۔ یہی وہ منزل ہے۔ جس کو فنا فی اللہ کہتے ہیں۔ بندہ کی ہر حرکت خداوندی حرکت میں تبدیل ہوجاتی ہے۔ حدیث جبریل میں جو بخاری اور مسلم میں موجود ہے۔ اسلام اور ایمان کے بعد احسان کا ذکر ہے۔ جس کی تفسیر خود حضور نبی کریمؐ نے فرمائی ہے۔ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ۔ یعنی اخلاق اور احسان یہ ہے کہ اللہ کی عبادت اس طرح کرے کہ گویا، تو اسے دیکھ رہا ہے۔ اگر یہ نہیں تو پھر اس طرح عبادت کر کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے (۲۴)

تصوف و طریقت کو فرض قرار نہیں دیا گیا بلکہ مستحب بتایا گیا ہے لیکن پہلی حالت میں نفسانی مہالک کا خطرہ ضرور باقی رہتا ہے اور جب اطاعت و عبادت میں لذت آنے لگتی ہے تو شیطان کی رخنہ اندازی اور نفس کی نیش زنی کا اندیشہ زائل ہوجاتا ہے۔ ایک پابندِ شریعت انسان کتاب وسنت کی پیروی تو کرے گا مگر اسے اپنے نفس پر اس کے لئے کم وبیش جبر ضرور کرنا پڑتا ہے۔ کبھی جنت کے نعماء کے خیال سے اور کبھی عذاب جہنم کے خوف و دہشت سے لیکن بخلاف ازیں ایک صاحبِ طریق جو کچھ کرے گا۔ پورے شوق و رغبت اور والہیت و شیفتگی کے ساتھ کرے گا۔ اسے نہ جنت کی پرواہ ہوگی اور نہ دوزخ کا اندیشہ ہوگا۔ جو کچھ اس سے صدور میں آئے گا۔ وہ عاشقانہ اور والہانہ نوعیت کا ہوگا اور ایسے لوگوں کا کہنا بے جا نہ ہوگا کہ حقیقتاً یہ اہل طریقت کی جماعت عشاق کی جماعت ہے۔

چونکہ ان کا اتباع کامل ہوتا ہے۔ مرضیاتِ الٰہیہ پر اپنی مرضیات قربان کئے ہوتے

یہ "احسان" ہی جان تصوف اور روح طریقت ہے اور یہ اشارہ اسی کی طرف ہے جس سے مراد صدق اور توجہ الی اللہ ہے۔ علماء کہتے رہے ہیں کہ مجاہدہ اور کثرت عبادات میں چونکہ نفس کو تکلیف مالایطاق ہوتی ہے۔ اس لئے شرعاً جائز نہیں ضرورت ہے۔ عبادت اتنی کی جائے کہ وہ باعث ملال خاطر نہ ہو۔ کوئی حق شرعی اس سے فوت نہ ہو لیکن ظاہر ہے کہ صوفیاء کے مجاہدات شوق ولذآت کی ایک دنیا اپنے جلو میں لئے ہوئے ہوتے ہیں اور ان کی راتیں بیداری و عبادت کے لئے وقف اور دن رضا جوئی الٰہی کے لئے معین ہوتے ہیں۔ اس لئے ان میں ملال خاطر کا کوئی شائبہ بھی نہیں پایا جاتا۔ رہی بیعت، تو یہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے ثابت ہے۔ جس کی مفصّل تشریح آگے آئے گی۔ جیسے کہ حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے حضور نبی کریم علیہ السلام نے نماز پڑھنے زکوٰۃ دینے اور ہر مسلمان سے خیر خواہی کرنے کی بیعت لی اور کسی سے بیعتِ ہجرت، کسی سے ترک گناہ اور بہتان نہ باندھنے اور چوہدری نہ کرنے کی بیعت لی

اسی طرح اگر آج بھی کوئی بزرگ کسی سے کسی نیک کام، ترک گناہ اور روحانی ترقی کی بیعت لے تو یہ عین اتباع شریعت ہوگا۔ خلاصہ یہ کہ تصوف ایک نہائت مقدس اور شریف علم ہے۔ جس کا آغاز حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے ہوا۔ جنہیں شب معراج میں خرقہ عطا ہوا تھا۔ چونکہ اب اس علم کے ورثاء میں جہال اور بے علم زیادہ ہیں جو صرف نام کے صوفی رہ گئے ہیں اور اپنی جہالت کے باعث شریعت سے دُور جا پڑے ہیں۔ اس لئے لوگوں کو اور سوء ظنی کا موقع مل رہا ہے ورنہ صوفی ہر حالت میں شریعت کا متبع اور کتاب وسنت کا عامل ہوتا ہے۔

حواشی و توضیحات

علامات	(م)	مؤلف
	(و)	اویس

۱۔ طاؤس الفقراء ابونصر سراج رحمتہ اللہ علیہ (م ۳۷۸ ھ) کی شہرہ آفاق کتاب ہے یہ عدیم النظیر کتاب تصوف پر لکھی گئی اولین کتب میں شمار ہوتی ہے۔ بعد میں لکھی گئی تمام کتب تصوّف در اصل اسی کتاب اللمع کی صدائے بازگشت معلوم ہوتی ہیں۔ یقینی طور پر تو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ کتاب اللمع کس سن میں لکھی گئی لیکن چونکہ مصنفؒ کی تاریخ وفات ۳۷۸ ھ پر اتفاق ہے۔ اس لئے یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ کتاب اللمع چوتھی صدی ہجری کے وسط کی تصنیف ہے۔ ۱۹۰۹ء میں ڈاکٹر نکلسن نے دو قلمی نسخے کھوج نکالے۔ ایک نسخہ ۵۴۸ ھ کا لکھا ہوا تھا۔ دوسرا ۶۸۳ ھ کا۔ پانچ سال کی دیدہ ریزی کے بعد دونوں نسخوں کا مقابلہ کر کے پروفیسر موصوف نے اصل کتاب کو نہائت اہتمام کے ساتھ ۱۹۱۴ء میں شائع کیا۔ کتاب کے کل ابواب ۱۲۳ ہیں۔ پہلا اردو ترجمہ ۱۹۸۴ء / ۱۴۰۵ھ میں اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور نے شائع کیا۔ (و)

۲۔ القرآن ۳ : ۱۸ (م)(و)

۲۔۱۔ اللمع باب اوّل صفحہ ۲

۳۔ طبقات ابن سعدؒ جلد دوم صہ ۲۸۷ (م)

۴۔ مسند ابن حنبلؒ جلد دوم صہ ۱۳۷ (م)

۵۔ القرآن ۲ : ۲۷۳ (و)

۶۔ وَوٰعَدْنَا مُوْسٰی ثَلٰثِیْنَ لَیْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِیْقَاتُ رَبِّهٖۤ اَرْبَعِیْنَ لَیْلَةً ۚ

ترجمہ) اور ہم نے موسیٰ سے تیس رات کا وعدہ فرمایا اور ان میں دس اور بڑھا کر پوری کیں تو اس کے رب کا وعدہ چالیس رات کا ہوا۔

القرآن ۷ : ۱۴۲ (و)

۷۔ قلیہ (مذکر) سادہ گوشت، گھی میں بھون کر شوربے دار پکا ہوا۔ (و)

۸۔ القرآن ۳ : ۳۸ تا ۴۱ (ل)

۹۔ القرآن ۳ : ۷۸ (ل)

۱۰۔ لیعنی عبادت میں انقطاع کی صفت ہو کہ دل اللہ تعالےٰ کے سوا اور کسی کی طرف مشغول نہ ہو۔ سب علاقہ قطع ہو جائیں اسی کی طرف توجہ رہے۔ (ل)

۱۱۔ سیرالنبیؐ، موئلفہ شبلی نعمانی، جلداوّل صہ ۱۸۶ (م)

۱۲۔ القران ۶ : ۷۶ (م)

۱۳۔ ہیرو اینڈ ہیرو ورشپ، موئلفہ، تھامسن کارلائیل (ل)

۱۴۔ القرآن ۹۶ : ۱ (م)

۱۵۔ تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا۔ جب تک وہ مجھ سے اپنے ماں باپ اور تمام انسانوں سے زیادہ محبت نہ رکھے (حدیث شریف) (ل)

۱۶۔ القرآن ۳ : ۹۳ (م)

۱۷۔ واردات قلبی کے بند ہو جانے کو قبض اور ان کے کھل جانے کو بسط کہتے ہیں۔ قبض کی ۲ قسمیں ہیں۔

(i) قبض محمود :۔ وہ قبض ہے۔ جس سے سالک کے دل میں اس بندش ملال پیدا ہو۔ یہ محمود اس لئے ہے کہ یہ اس کا پیدا ہونا بھی ایک کیفیت ہے جو مفید ثابت ہوتی ہے۔

(ii) قبض مذموم :۔ وہ قبض ہے۔ جس سے کسی قسم کا ملال نہ پیدا ہوا اور دل میں کچھ لاپرواہی سی پائی جائے۔ اس نوعیت کا قبض مضر ہے۔

اسی طرح بسط کی بھی دو قسمیں ہیں۔

(i) بسط محمود :۔ وہ بسط ہے۔ جس میں درمیانی منزل کی دلچسپیاں ترقی مزید کی امنگیں دل میں پیدا کریں۔

(ii) بسط مذموم :۔ وہ بسط ہے۔ جس میں درمیانی منزل کی دلچسپی سالک کی دل بستگی کا باعث ہو اور اسے آگے نہ بڑھنے دے۔

سالک کو ابتدا میں خوف و رجا سے سابقہ پڑتا ہے۔ جب ترقی کرتا ہے تو قبض و بسط کی حالتیں اس پر طاری ہوتی رہتی ہیں۔ جب اور زیادہ ترقی کرتا ہے تو ان سے بھی اعلیٰ تر حالتوں سے اُسے سابقہ پڑتا ہے۔ جنہیں ہیبت و انس کہتے ہیں۔ خوف و رجا

کا تعلق مستقبل سے ہے۔ امر مکروہ مستقبل سے خوف اور امر محبوب مستقبل سے رجاء پیدا ہونا امر ابتدائی ہیں۔

قبض و بسط کا تعلق امور حاضرہ سے ہوتا ہے۔ واردات غیبی پر وارد ہوں تو بسط اور ورود بند ہو جائے تو قبض پیدا ہوتا ہے۔

واردات قلبی سے تجاوز کر کے جب سالک دولت مشاہدہ سے سرفراز ہوتا ہے تو ہیبت و انس کے درمیان چوگان بنایا جاتا ہے۔ مشاہدہ جلال کا نتیجہ ہیبت اور مشاہدہ جمال کا نتیجہ اُنس ہوتا ہے، یا بعض کے نزدیک غیب میں ہیبت اور محو میں اُنس پیدا ہوتا ہے لیکن صوفیائے محققین نے ہیبت و اُنس بھی پناہ مانگی ہے۔ وہ جلال و جمال کی تفریق سے بھی بلند تر پرواز کرنے اور آشیانہ ذات میں متمکن ہونے کے آرزومند رہتے ہیں۔ اہل تمکین کے احوال تغیر سے بالاتر ہیں۔ وہ عین وجود میں محو ہوتے ہیں۔ ان کے لئے نہ ہیبت ہے نہ اُنس، نہ علم نہ حس، ان کی ترقی بھی وجود ہی کے ذریعے سے ہوتی ہے۔

(سِرِّ دلبراں ؛ سید محمد ذوقی) (ل)

۱۸۔ " ہندی اسلام" کے اشعار۔ یہ نظم ڈاکٹر محمد اقبال لاہوریؒ کے مجموعہ کلام "ضرب کلیم" صفحہ ۳۰ مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور میں شامل ہے۔ (ل)

۱۹۔ القرآن ۵۹ : ۹ (م)

۲۰۔ (ترجمہ) بے شک ہم نے انہیں ایک کھری بات سے امتیاز بخشا کہ وہ اس گھر کی یاد ہے۔ القرآن ۳۸ : ۴۶ (م) (ل)

۲۱۔ القرآن ۷ : ۹۶ (م)

۲۲۔ القرآن ۹۶ : ۳ (ترجمہ) اور اسے وہاں سے روزی دے گا۔ جہاں اس کا گمان نہ ہو۔ (م) (ل)

۲۳۔ القرآن ۲ : ۱۶۵ (ترجمہ) اور ایمان والوں کو اللہ کے برابر کسی کی محبت نہیں۔ (م) (ل)

۲۴۔ البخاری فی ؛ کتاب الایمان باب ۳۷ سوال جبریلؑ النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن الایمان والاسلام۔

مسلم فی ؛ کتاب الایمان باب ۱ - ۵ — پوری حدیث یوں ہے : حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں ؛ ایک دن آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے سامنے تشریف فرما تھے کہ

آپؐ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور اس نے دریافت کیا: یارسول اللہ! ایمان (کی ماہیت) کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ایمان کا مفہوم یہ ہے کہ تم اللہ کی ذات پر ملائکہ کے وجود پر، روز محشر اللہ کے حضور پیش ہونے پر، اللہ کے رسولوں کے برحق ہونے پر ایمان لاؤ اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کئے جانے کا یقین رکھو۔ اس نے مزید سوال کیا: یارسول اللہ! اسلام کی تعریف کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: اسلام یہ ہے: (۱) تم محض اللہ کی عبادت کرو اور عبادت میں کسی غیر کو اللہ کا شریک نہ بناؤ (توحید فی العبادہ)، (۲) اور فرض نمازیں ادا کرو (۳) زکوٰۃ دو (۴) اور رمضان کے روزے رکھو۔ پھر اس نے عرض کیا: یارسول اللہ! احسان کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: احسان یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو، گویا تم اسے دیکھ رہے ہو۔ اس لئے کہ یہ ایک حقیقت ہے کہ اگر تم اسے نہیں دیکھ سکتے تو وہ تو یقیناً تم کو دیکھ رہا ہے۔ پھر اس نے سوال کیا: یارسول اللہ! قیامت کب برپا ہوگی؟ آپؐ نے فرمایا: جس سے سوال کیا گیا ہے۔ قیامت کے بارے میں وہ بھی سوال کرنے والے سے زیادہ نہیں جانتا۔ البتہ میں تم کو قیامت برپا ہونے کی کچھ شرائط (نشانیاں) بتائے دیتا ہوں۔ جب لونڈی اپنا آقا جنے گی اور جب اونٹوں کے سیاہ فام (وحشی اور غیر مہذب) چرواہے بڑی بڑی عمارتیں بنانے پر ایک دوسرے پر بازی لے جائیں گے۔ دراصل قیامت کا علم ان پانچ امورِ غیبیہ میں سے ہے۔ جن کو اللہ تعالےٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ پھر آپؐ نے یہ آیۂ کریمہ تلاوت فرمائی:

إِنَّ اللَّهَ عِندَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ ج وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ ج وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ ط وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ط وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ ط (لقمان: ۳۴)

"اس گھڑی (قیامت) کا علم اللہ ہی کے پاس ہے۔ وہی بارش برساتا ہے۔ وہی جانتا ہے کہ ماؤں کے پیٹوں میں کیا پرورش پا رہا ہے۔ کوئی متنفس نہیں جانتا کہ کل وہ کیا کمائی کرنے والا ہے اور نہ کسی شخص کو یہ خبر ہے کہ کس سرزمین میں اس کو موت آنی ہے۔"

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس گفتگو کے بعد وہ شخص پیٹھ موڑ کر چلا گیا تو معاً آپؐ نے فرمایا: "اسے واپس بلاؤ"۔ چنانچہ صحابہ کرامؓ نے اسے تلاش کیا لیکن اس کا کوئی سراغ نہ ملا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یہ جبرائیل علیہ السلام تھے، جو اس غرض سے آئے تھے کہ اس طرح لوگوں کو دین کے ضروری امور کی تعلیم حاصل ہو۔" (م) (ل)

سروده: دکتر محمد حسین تسبیحی (رها)

سُهرَوَرد نامه

پیک عرفان و اَدَب باشد رضای سُهرَوَرْد
رونق کار و هُنَر آمد صدای سُهرَوَرْد
قبلهٔ شیخ الشّیوخ آمد اساس سُهرَوَرْد
در تصّوف او بُوَد حَرْف وفای سُهرَوَرْد
صوفیان سُهرَوَرْدی اصل عرفان و اَدَب
پایهٔ مهر و مَحَبّت شد صفای سُهرَوَرْد
پیرو حق و حقیقت آمدند این صوفیان
چون که قرآن و حدیث آمد وِلای سُهرَوَرْد
سُهرَوَرْدی سلسله ترویج اسلام است و بَسْ
در طریق عشق و عرفان بین نوای سُهرَوَرْد
جوشش و جذبه بُوَد در صوفیانِ سُهرَوَرْد
روحِ تحقیق و تلاش آمد غذای سُهرَوَرْد
گلشن پُر گل بُوَد گنجینهٔ این خاندان
گنج تفسیرِ نُبی باشد شفای سُهرَوَرْد
جدوجهد بانیانِ سُهرَوَرْدی بی شمار
چون که بنیادش بُوَد طَرْحِ عَلای سُهرَوَرْد
مُرشدِ سعدی بُوَد شیخ الاشیوخ سُهرَوَرْد
احمد غزّالی آمد رهنمای سُهرَوَرْد

مرکز تحقیقاتِ فارسی ایران و پاکستان
مولف متعدد کُتب و متون

لطف اشعار و سخن هایش بُوَد آب حیات

چون که بوستان و گلستان رهگشای سُهْرَوَرْد

روح سعدی شد اسیر عارف مشکل گشا

چون عوارف شد کتاب خوشنُمای سُهْرَوَرْد

اَوْحدالدّین آمد از کرمان مُرید شیخ ما

آن سخندان و غزل گوی خُدای سُهْرَوَرْد

باغبان سلسله باشد اَبُوحَفصِ عُمَر

هر کسی او را شناسد پیشوای سُهْرَوَرْد

پاك و هند از پیروان او گلستان آمده

همچو سعدی نامه و سعدیِ نرای سُهْرَوَرْد

خوش نصیبند این همه از صوفیان سُهْرَوَرْد

سایهء قرآن پاك آمَد هُمای سُهْرَوَرْد

نسبت مردم بُوَد بَر سُهْرَوَرْدی بی شمار

این زمان هرجا ببین وِرْد و دُعای سُهْرَوَرْد

بَعْدِ هشتصد سال اگر رونق بگیرد سُهْرَوَرْد

سُهْرَوَرْدی سلسله گردد عصای سُهْرَوَرْد

پای شوق و معرفت چوبین بُوَد در مُلك عشق

گرنباشی هَمْرَهَ و خوش آشنای سُهْرَوَرْد

چون به (اعلام التقی) روی آوری ای مرد راه

هم به (اعلام الهدی) درمان، دوای سُهْرَوَرْد

دیگری (رَشْف النَصایح) شد کتابی رهنما

جست و جوکن در طریق حقّ نُمای سُهْرَوَرْد

عاشقان و پیروان سُهْرَوَرْدی سلسله

هم سخن گویند و هم عزّت فزای سُهْرَوَرْد

از برای عدل و احسان ،صوفیان سُهرَوَرْد

کارشان باشد قضاوت باقضای سُهرَوَرْد

سُهرَوَرْد از شهر زنجان اوج عَلّیین گرفت

چون اخی زنجانی آمد خوش لقای سُهرَوَرْد

عارفان ملك ایران ساکنان مُلكِ پاك

هر طرف گر بذگری بینی فضای سُهرَوَرْد

بهر تبلیغ مسلمانی ببین این صوفیان

چون دلیران غزاگر در غَزای سُهرَوَرْد

عصمت و عفت بُوَد سرمشق هر مرد و زنش

بارگاه حقّ تعالی شد صَلای سُهرَوَرْد

شد طریق سُهرَوَرْدی لطف و عشق مردمی

کَس ندیده تاکنون هر گز جفای سُهرَوَرْد

لَنْ تَنالُوا البِرَّ حَتّی تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبَّ

رحمت قرآن ببین در کوچه های سُهرَوَرْد

حافظ قرآن همه خُردُو کلانِ حوفیان

هم مَلایك را نگر از اقربای سُهرَوَرْد

چشمه، عرفان بدان شیخ الشّیوخ سُهرَوَرْد

مکتب یزدان شِمرُ کیهان سَرای سُهرَوَرْد

هم مصنّف هم مُفَسّر هم اَدیب نکته دان

وِرْد و اَوراد و حدیثِ مصطفای سُهرَوَرْد

صوفیان سُهرَوَرْدی ساکن هر شهر و کُوی

جست و جو کُن تابیابی درقَفای سُهرَوَرْد

آن بهاءالحقّ والدّین غوث پاك سُهرَوَرْد

بارگاهش جایگاه اَولیای سُهرَوَرْد

غوث پاك و در گهش رخشان بُوَد از نور عشق
چون عراقی باده نوش از باده های سُهْرَوَرْد
بابا جنگو شه قلندر پیر پاكِ خوش لِقا
اُسْوَهء واصِل شده آن پارسای سُهْرَوَرْد
آن محمّد سُهْرَوَرْدی آن غلامِ سُهْرَوَرْد
حُجّتِ كامِل بُوَد در كَرْبلای سُهْرَوَرْد
آن قلندر سیّد بُوالفیض علی چون راه نَو
شد مُجَدّد در طریقِ پُربلای سُهْرَوَرْد
صوفی عارف محمّد غوری پاك و شریف
سُهْرَوَرْدی بوده بارنگ و هوای سُهْرَوَرْد
هم نذیر و هم نصیر و هم محمّد نام او
بونصیر غوری آمد كُنْبَه های سُهْرَوَرْد
اوُ مقیم شهرِ لاهور است و غُورستان وطن
پیك عشق و معرفت باشد لِوای سُهْرَوَرْد
رهنمای كوچه های عشق و عرفان و اَدَب
آن نذیر غوری آمد وَالضّحای سُهْرَوَرْد
آسمان شد روشن از مهر منیرِ بونصیر
دُرِّ ناسفته بُوَد چون و چرای سُهْرَوَرْد
پیروانِ او چو پَرْوانَه به گِرْدِ شَمْعِ او
روشنی بخش همه جودُ سخای سُهْرَوَرْد
در تصوّف صوفیِ غوری بُوَد چون نُور پاك
جلوه گر از چهره اش باشد بهای سُهْرَوَرْد
گفت و گوی صوفی غوری بُوَد جانِ سخن
بشنوید ای صوفیان از گفته های سُهْرَوَرْد

حِرزِ جان کُن هر سخن از بونصیر سُهْرَوَرْد
برتر از هر کس بدان آن پَنْدهای سُهْرَوَرْد
هر کسی کُوشد مُریدِ صوفی غوری نَسَب
رحمت حقّ بردرش زَد سایه های سُهْرَوَرْد
ای مُریدان بشنوید از او بسی تندرُوست
سرفراز و سربلند و دلرُبای سُهْرَوَرْد
بهتر از هر کس محمّد موسی امرتسری
آن حکیم نکته سنج باوفای سُهْرَوَرْد
عاشق عرفان بُوَد سیّد متین هاشمی
او مُشیرِ دَرْ گهِ مَرد آزمای سُهْرَوَرْد
عارف نوشاهی آن مَرْد جوان پُر اُمید
طالب علم و ادب فهرست نُمای سُهْرَوَرْد
آن حسن باشد چو نوری در ریاض خلدِ عشق
سَعْیِ او باشد همیشه از برای سُهْرَوَرْد
سیف ذولقرنینِ دانشمند و مرد خُوْشِ سیَر
بُلبل آمد خوش نَوا در باغ های سُهْرَوَرْد
آن اُوَیس سُهْرَوَرْدی شُد مدیر سُهْرَوَرْد
کوششَش باشد یقیناً پابه پای سُهْرَوَرْد
هم اُوَیس و هم علی هم سیّد پاك و شریف
آن جوانِ پُر هنر آن خوش اَدای سُهْرَوَرْد

این (رها)ی خسته دل شد خادم شیخ الشّیوخ
خوشه چین از خرمنش هستم گدای سُهْرَوَرْد

دو گراں قدر تصانیف کی تدوین

تاریخِ سلسلۂ سہروردیہ

سہروردیہ فاؤنڈیشن سلسلۂ سہروردیہ کی تاریخ تحقیقی روش پر لکھوانے کی خواہشمند ہے۔

اُن تمام علاقوں میں سلسلے کی تاریخ قلمبند کی جائے گی جہاں یہ سلسلہ رائج ہے۔

تاریخِ تصوّف و سلاسلِ متصوفہ پر صاحبِ نظر اربابِ علم سے درخواست ہے کہ وہ ہمیں اپنے قیمتی مشوروں سے نوازیں۔ اِس موضوع پر کُلّی یا جزوی طور پر لکھنے والے محققین کی خدمت میں معاوضہ بھی پیش کیا جائے گا۔

مآثرِ سہروردیہ

سلسلۂ سہروردیہ کے مشائخ اور وابستگان کی تصانیف اور اِس سلسلے کے بارے میں لکھی گئی کتابوں اور مقالوں کی علیحدہ فہرست مرتّب کی جا رہی ہے۔ جن احباب کے پاس ایسی کتابیں یا معلومات ہوں وہ ہماری راہنمائی فرمائیں۔

کتب کے حسبِ ذیل کوائف درکار ہیں :

۱۔ کتاب کا نام ۲۔ مصنف کا نام ۳۔ تاریخ تصنیف ۴۔ زبان ۵۔ خصوصیت ۶۔ مطبوعہ ہونے کی صورت میں ناشر، سالِ اشاعت اور تعداد صفحات ۷۔ قلمی ہونے کی صورت میں کاتب، تاریخ کتابت اور کتبخانے کا نام

مقالات کے حسبِ ذیل کوائف مطلوب ہیں :

۱۔ مقالہ نویس کا نام - ۲۔ مقالے کا عنوان اور زبان - ۳۔ رسالے کا نام، شمارہ اور ناشر ۴۔ صفحات کا نمبر شمار

سہروردیہ فاؤنڈیشن - ۱۱۵ میکلوڈ روڈ - لاہور

★ ڈاکٹر محمد اختر چیمہ

لطائفِ اویسیہ

کتاب کا مختصر نام "لطائف اویسیہ" اور کامل نام "لطائف نفیسیہ در فضائل اویسیہ" مرقوم و مذکور ہے۔ (۱) شیخ احمد بن محمود اویسی کی تالیف لطیف و تصنیف منیف ہے جو ظاہراً بارہویں صدی ہجری میں برصغیر پاک و ہند کے اویسی پیشواؤں میں سے ہوئے ہیں (۲) یہ کتاب حضرت خواجہ اویس قرنی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے لطائف و فضائل و مناقب و مقامات و ملفوظات پر مشتمل فارسی زبان میں تحریر کی گئی ہے۔

حضرت خواجہ اویس قرنی رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ بلا ریب افضل التابعین اور سرکارِ دو جہاں حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عاشقان نامدار میں سے ہیں۔ اہلِ دین و عرفان کے ہاں آپ کو بے پایاں اہمیت و بے انتہا فضیلت حاصل ہے۔ کتب احادیث و اخبار و سیَر میں آپ کے مقام و مرتبہ کے بارے میں بہت کچھ تحریر کیا گیا ہے حضرت داتا گنج بخش سید علی بن عثمان ہجویریؒ اپنی مشہور تصنیف "کشف المحجوب" میں درباب فی ذکر ائمتھم من التابعین و الانصار رضوان اللہ علیہم" آپ کے احوال و مقامات میں یوں رقمطراز ہیں۔ "آفتاب امت و شمع دین و ملت اویس قرنیؒ از کبار مشائخ اہل تصوف بود و اندر عہدِ رسولؐ بود۔ اما ممنوع گشت از دیدار پیغمبرؐ بدو چیز، یکی بغلبہ حال و دیگر بحق والدہ (۳) شیخ فرید الدین عطار نیشاپوری نے تذکرۃ الاولیاء میں آپ کے شرح حال میں لکھا ہے

" آں قبلۂ تابعین، آں قدوۃ اربعین، آں آفتاب پنہاں، آں ہم نفس رحماں، آں سہیل یمنی، اویس قرنی رحمتہ اللہ علیہ، قال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم : اویس القرنی خیر التابعین باحسان وصف وستائش کسی کہ ستائیدہ او رحمت اللعالمین است. بہ زبان من کجا راست

★ اسسٹنٹ پروفیسر فارسی، گورنمنٹ کالج فیصل آباد۔

آید ؟ ......" (۴)

اس طریقہ سے حضرت پیغمبر اکرم و نور مجسّم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر آج تک، ہمیشہ بزرگان و عارفان و نویسندگان و مشائخ طریقت نے خواجہ اویس ؓ سے ارادت و عقیدت کا اظہار کیا۔ آپ کے مناقب و مفاخر و مقامات و کمالات میں کلمات و عبارات حیطۂ تحریر میں لائے، حتیٰ کہ بعض شخصیات نے اس موضوع پر مفید و پُر فیض رسالے اور تالیفات یادگار چھوڑیں لیکن یہاں پر موقع کی مناسبت سے دیگر سخنان و مقالات و مؤلفات و مصنّفات سے قطع نظر فقط کتاب " لطائف نفیسیہ در فضائل اویسیہ " کو زیر بحث لایا جائے گا۔ اور اس تالیف کے تعارف کے ضمن میں خواجہ اویس ؓ کے درجات بلند و مراتب ارجمند کو خاطر نشان کیا جائے گا کہ بنا بر قول حجۃ الاسلام امام محمد غزالی در کتاب احیاء العلوم و کیمیائے سعادت " امام و مقتدار اویس قرنی است رضی اللہ تعالیٰ عنہ "۔ (۵) اور امام یافعی ؒ کی گفتار کے مطابق " سید التابعین، محب و محبوب حقانی، عاشق معشوق سبحانی خواجہ اویس قرنی است "۔ (۶)

کتاب " لطائف اویسیہ " مجموعی طور پر دیباچہ، چوبیس لطائف اور خاتمہ پر مشتمل ہے دیباچہ حمد و ستائش ایزد تعالےٰ، درود و صلوٰۃ نبی علیہ السلام، القاب و صفات اویس اور سبب تالیف و تاریخ و تسمیہ کتاب کا حامل ہے اور لطائف، فضائل و شمائل و حالات و کرامات خواجہ اویس ؓ اور طریقت اویسی کے خصائص سے لبریز ہیں اور خاتمہ اہمیت و فضیلت مطالعۂ لطائف اویسیہ کے لئے مخصوص ہے۔ اب کتاب کے مضامین و مفاہیم اور اس کے طرز اسلوب و نگارش سے قارئین کرام و محققین عظام کی زیادہ آگاہی و آشناہی کے لئے دیباچہ و لطائف و خاتمہ نسخہ سے مختصر عبارات نقل کر کے استشہاد کیا جاتا ہے۔

مؤلف نے اپنی تالیف لطیف کا آغاز اس طرز پر کیا ہے۔

" بسم اللہ الرحمن الرحیم، خداوندا حمد و سپاس تو نا محصور، و زبان در صفت و ستائش تو بہ عجز و قصور، و خود فرمودہ و قلیل من عبادی الشکور "۔ (۷)

ثنای تو ای قادر کردگار — برون از حد است و فزون از شمار
ازل تا ابد گر شود حرف آن — نیاید بگفتن یکی از ہزار بار

خدایا ہر ستائندہ را توئی مقصود، و کل ثناء الیک یعود، بلکہ تو خود حامدی و محمود،

در چشم عیان شاہد و مشہود توئی — در قبلۂ جان ساجد و مسجود توئی
بی نام و نشان قاصد و مقصود توئی — بی گوش و زبان حامد و محمود توئی (۸)

وصلوٰۃ طیبات و تحیات زاکیات و تسلیمات نامیات نثار و سزاوار ارواح معطر و مقدس معلی سرور کائنات، فخر موجودات، احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ[ص] و ارواح یاران پیروان او باد۔

درود خدا بر روان تو باد — بر اصحاب و بر پیروان تو باد" (۹)

پھر شیخ احمد بن محمود رحؒ نے خواجہ اویس رضؓ کے گوناگوں القابات و مقامات و کمالات کے ذکر کے بعد اپنے نام کو بطور مؤلف اس طرح یاد کیا ہے۔

" نمودہ میآید کہ این کلمہ ایست چند در بیان فضائل قدسیہ و احوال علیہ ذات ابوالبرکات ستر ذات الٰہی، پر تو صفات نا متناہی؛ مظہر انوار رحمانیہ، منظہر اسرار ربانیہ، یکین کنار نبوت، امین اطوار فتوت، مبارز میدان مجاہد؛ مجاہد ایوان مشاہدہ، مقبول لایزال، محبوب ذوالجلال، سلطان ملت مصطفوی، برہان شریعت نبوی، ملیک ممالک فقر و تجرید فارس مضمار وحدت و توحید، قطب ابدال ولائیت، مرکز دائرۂ ہدائیت، قبلۂ تابعین، قدوۂ زاہدین، نفس رحمان، آفتاب نہان، سہیل یمن، خورشید قرن، غوث الثقلین، خواجہ کونین، بندگی حضرت خواجہ اویس بن عامر مرادی قرنی رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ افاض اللہ تعالےٰ علینا برکاتہٗ واوصل علینا فتوحاتہ، و فراہم آورد آں را درویش و دلریش معصیت آلود، احمد بن محمود، برہاند او را حضرت رب محمود از قید زندان وجود، واز آلائش ہستی و بود، کہ فی الحقیقت نیست و ہست نمود۔

یا رب مددی کن کز خودی خود برہم
از بد ببرم و از بدی خود برہم
در ہستی خود مرا از خود بے خود کن
تا از خودی و بے خودی خود برہم (۱۰)

اس کے بعد مواد کی جمع آوری، کتاب کی کیفیت و وضعیت اور سال تالیف کے متعلق یوں مبسوط و منقول ہے ۔ " نویسندۂ تالیف کو کتب سیر و اخبار اور کلام مشائخ و کبار سے ہر کتاب و رسالہ میں حضرت خواجہ اویس قرنی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے حالات و مناقب و کرامات و اشارات میں سے جو نقل و روائیت و خبر و حکائیت ملی اُسے

دیکھ کر خوش دل و شاداں ہو جاتا اور خوشی سے پھولا نہیں سماتا تھا۔ کمال محبت و وفور عقیدت سے ان یادداشتوں کو اوراق پر لکھ کر محفوظ کر لیتا تھا۔ اس روش و انداز میں ایک عرصہ گزر گیا اور ہر طرح کی بہت سی حکایات و منقولات و اخبارات جمع ہو گئیں۔ ۱۱۵۶ سال ہجری آ پہنچا۔ اس خوف سے کہ مبادا وہ اوراق ہاتھ سے نکل جائیں، پراگندہ و ضائع ہو جائیں۔ اس نیت سے کہ کوئی یادگار پیچھے رہ جائے اور وہ نزول رحمت کا باعث ہو۔ چنانچہ خواجۂ عالم علیہ من التحیات وافضلہا و من التسلیمات اکملہا نے فرمایا ہے۔ عند ذکر الصالحین تنزل الرحمۃ' یعنی نیکوکار لوگوں کی یاد کے وقت رحمت ایزدی نازل ہوتی ہے۔ پس ان سب یادداشتوں کو تقدیم و تاخیر کے لحاظ سے مرتب و مدوّن کیا۔ باوجود بے بضاعتی و توانائی و ہیچمدانی و قلت و استطاعت کے ان کو رشتۂ ملائمت و علاقۂ مناسبت سے نقش قلم میں لے آیا اور ایک رسالہ کی صورت میں پیش کر دیا۔ دین درویشاں کی طرح ہر جگہ سے تھوڑا تھوڑا اکٹھا کر کے اور مرقع گدایان کی مانند ٹکڑے ٹکڑے باہم جوڑ کر تیمن و تبرک کی غرض سے اس کو جناب مآب آنخواجہ کونین و غوث الثقلین رضی اللہ تعالےٰ عنہ میں وسیلۂ جمیلہ بنایا۔ آنجناب رضؓ کے الطاف و اکناف سے امید واثق ہے۔ کہ یہ متاع کاسد و بضاعت معمولی و کوشش واقعی و ہدیۂ ناچیز آنحضورؐ کی خدمت عالیہ میں شرف قبولیت سے آراستہ ہو گی اور آپؓ کی رُوح پر فتوح مقدس و معلیٰ کے لئے سرور و انبساط کا باعث ہو گی۔" (۱۱)

بعد ازاں اسم کامل کتاب " لطائف نفیسیہ در فضائل اویسیہ " (۱۲) ضبط و ثبت کیا گیا ہے اور چوبیس لطائف میں خواجہ اویس قرنی کے حالات و کرامات و مقالات و ملفوظات و روایات کی تشریح و تفصیل بیان کی گئی ہے۔ یہاں اس مختصر مقالے میں صرف نظر از دیگر تفصیلات سے، فقط لطائف کے عنادین لعینہٖ نسخہ کے مطابق درج کئے جاتے ہیں

لطیفہ اوّل؛ در اسم شریف آنحضرت و نام والدین شریفین وی و اسماء بزرگوار اجداد دی و تحقیق لفظ قرن و مسکن رضؓ۔ (۱۳)

لطیفۂ دوم؛ در حلیہ مبارک حضرت اویس رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ۔ (۱۴)

لطیفۂ سوم؛ در معاش آنحضرت رضؓ از خورش و پوشش رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ۔ (۱۵)

لطیفۂ چہارم؛ در فضیلت و خیریت آنحضرت از تابعین و سایہ صالحین رضی اللہ تعالےٰ عنہم (۱۵)

لطیفہ بیست وسیوم ؛ در تحقیق وفات و شہادت آنحضرت رضی اللہ عنہ۔ (۳۵)
لطیفہ بیست وچہارم ؛ در تحقیق قبور و تعداد مزارات آنحضرت رضی اللہ عنہ (۳۶)

شیخ احمد بن محمود اپنی کتاب کے خاتمہ میں یوں لکھتا ہے ؛

" بحمد اللہ کہ با چندین کتابت بدستم آمد این دلکش لطائف ، بحمد اللہ کہ این دیرینہ مقصود بفضل حق تعالےٰ گشت موجود ، بحمد اللہ کہ این محبوب شیرین محلی گشت بعد ایام دیرین ۔ حمد وسپاس بے شمار خداوندی را کہ بتوفیق او باتمام رسید و این لطائف با اختتام انجامید ۔" (۳۷)

کاتب نے نسخہ کے اختتام پر اپنا نام اس طرح قلمبند کیا ہے ۔

" الحمد اللہ والمنت کہ تمام شد ملفوظ خواجہ اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ ازیدا احقر العباد میرزا لعل ملکیہ ۔" (۳۸)

لطائف اویسیہ کے مطالعہ سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ یہ حضرت خواجہ اویس قرنی کے بارے میں ایک جامع اور اہم کتاب ہے جو معتبر و معتمد کتب و تصانیف سے استفادہ کرکے تالیف کی گئی ہے اور مؤلف کی حتی المقدور کوشش ہے کہ خواجہ اویسؓ کے احوال و فضائل میں جو کلمات و عبارات استعمال ہوں ، سراسر منقح و منظم ہوں ۔ گاہ گاہ بزرگان متقدم و مشائخ متاخر کے اقوال نقل کئے گئے ہیں اور اکثر و بیشتر مواقع پر اسامی کتب کے ذکر کے ساتھ اہم منابع و مآخذ سے استناد کیا گیا ہے ۔ یشیخ احمدؒ خود بھی سلسلہ اویسیہ سے متعلق و منسلک ہیں ۔ خواجہ اویسؓ سے باطنی طور پر فیضیافتہ ہیں ۔ اور اس طائفہ سے بہت عقیدت و ارادت رکھتا ہے کہ لطیفہ چہارم کے آخر میں کہتے ہیں ۔ " می گویم من کہ مؤلف این سطور پُر قصورم کہ در ہمہ اوقات و در جمیع ساعت فخر و مباہات من آنست کہ الحمد اللہ والمنت لہ حمداً کثیراً کہ مرید کمترین و معتقد کمترین این خاندان عالیشانم و اسیر حلقۂ این سلسلۂ علیہ بلند مکانم ، قبلۂ صدق و طلب و یقین اوست و سجدۂ نیاز دل و جان بدوست ۔"

من از جان بندۂ سلطان اویسم — اگرچہ یادش از جا در نباشد
خنک طالبان کہ خاک وی اند — گرد گشتہ ذات پاک وی اند (۳۹)

شیخ فرید الدین عطار نیشاپوری نے تذکرۃ الاولیاء میں حضرت خواجہ اویسؓ کے ترجمہ

حال کے اواخر میں سلسلۂ اویسیہ کے بارے میں اس طرح ذکر کیا ہے ۔

" بدان کہ قومی باشند کہ ایشان را اویسیاں گویند کہ ایشان را بہ پیر حاجت نبود کہ ایشان را نبوت در حجرِ خود پرورش ، ھدبی واسطہ غیری ، چنانکہ اویس را داد ، اگرچہ بظاہر خواجہ انبیاء را علیہ الصلوٰۃ والسلام ندید ، اما پرورش از وی می یافت ۔ از نبوت می پرورد ۔ با حقیقت ہم نفس بود و این مقام عظیم و عالی است " (۴۰)

صاحب " لطائف نفیسیہ در فضائل اویسیہ " سلسلۂ اویسیہ کے عقائد و اعمال کے متعلق یوں مرقوم فرماتا ہے کہ :

" اساس طریقت اویسیہ بر ہفت چیز است ۔ اول پیروی رسول خدا صلعم ، دوم خلوت در انجمن ، سیوم ، خاموشی در سخن ، چہارم ، نظر بر قدم ، پنجم ، ہوش در دم ، ششم ، زہر نوشی ، ہفتم ، پردہ پوشی " ۔ (۴۱)

اس تالیف لطیف میں سید التابعین حضرت خواجہ اویس قرنی رحمتہ اللہ علیہ کے مناقب و مقامات و مراتب و ملفوظات و کمالات و کرامات و فضائل کے علاوہ خود سلسلۂ اویسیہ کے بارے میں بھی گراں قدر و گراں قیمت و گراں بہا اطلاعات و معلومات ملتی ہیں ۔ اس کے ذریعہ سے تاریخ تصوف اسلامی میں اہم اور تازہ دریچے کھلتے نظر آتے ہیں ۔ اس لئے کہنا چاہیئے کہ کتاب " لطائف نفیسیہ در فضائل اویسیہ " طریقت و معرفت و حقیقت باطنی اویسی کے لطائف و معارف و حقائق سے لبریز و معمور مشحون ہیں ۔

حواشی

اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ پنجاب یونیورسٹی لاہور (پاکستان) کی لائبریری میں شمارہ ۷۵۴/۲۰۷۶ کے تحت موجود ہے ۔ جس کی مائیکروفلم اور عکسی نسخہ کتاب خانہ مرکزی دانشگاہ تہران (ایران) میں محفوظ ہے ۔ اس عکسی نسخہ سے استفادہ کرکے راقم الحروف نے فارسی زبان میں مقالہ تحریر کیا تھا جو نشریۂ دانش کدۂ ادبیات و علوم انسانی ، دانش گاہ آذر آبادگان تبریز (ایران) سال ۲۹ ، شمارہ مسلسل ۱۲۲ تابستان ۲۵۳۶ شاہنشاہی / ۱۹۷۷ء میں صفحہ ۱۹۷

سے ۲۰۷ تک زیور طباعت سے آراستہ ہوا۔ زیر نظر مضمون اسی مقالے کا اردو زبان میں ترجمہ ہے۔

" لطائف اولیسیہ " کا دوسرا مخطوطہ کتاب خانہ گنج بخش راولپنڈی کے ذخیرہ مولانا غلام محی الدین قصوری میں محفوظ و مامون ہے۔ ملاحظہ کیجئے۔ بحوالہ حدیقۃ الاولیاء، تالیف مفتی غلام سرور لاہوری، تحقیق و تعلیق محمد اقبال مجددی، اسلامک بک فاؤنڈیشن، لاہور ۱۳۹۶ ھ، ۱۹۷۶ء، صفحہ ۲۸۰ پر ماخذ مقدمہ و حواشی میں نمبر ۴ پر، لیکن وہاں نام " لطائف نفسیہ " مندرج ہے جو صحیح نہیں ہے۔

فقیر حقیر راقم سطور درگاہِ ایزدی میں دست بدعا ہے کہ بزرگ و برتر خداوند تعالے اس بندۂ ناچیز کو توفیق عطا فرمائے تاکہ کمر ہمت باندھ کر اس خطی نسخہ کو تصحیح و تنقیح کے ساتھ شائع کرنے کا اہتمام کر سکے۔

۱۔ لطائف اولیسیہ، قلمی نسخہ پنجاب یونیورسٹی، ص ۵
۲۔ باوجود تلاش و کوشش بسیار کے " احمد بن محمود " کے شرح حال زندگی کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہو سکا۔ صرف اتنا ہی کہا جا سکتا ہے کہ ان کا تعلق سلسلۂ طریقت اولیسیہ کے مشائخ سے ہے۔
۳۔ بتصحیح ژ. د کونسکی، مطبوعاتی امیر کبیر تہران، ۱۳۳۶ ش، ص ۹۹-۱۰۰۔
۴۔ بتصحیح دکتر محمد استعلامی، انتشارات زوار تہران، ۱۳۴۶ ش، ص ۱۹۔
۵۔ لطائف اولیسیہ، ص ۱۵۔
۶۔ لطائف اولیسیہ، ص ۵۹۔
۷۔ قرآن کریم، سورہ ۳۴، آیہ ۱۳۔
۸۔ یہ رباعی لمعات شیخ فخر الدین عراقی مع شرح جامی (اشعۃ اللمعات جامی) مطبع لبشیر دکن، ص ۲۳ سے نقل کی گئی ہے۔
۹۔ لطائف اولیسیہ، ص ۱-۲۔
۱۰۔ لطائف اولیسیہ، ص ۲-۳۔
۱۱۔ لطائف اولیسیہ، ص ۳-۴۔
۱۲۔ لطائف اولیسیہ، ص ۵ لیکن یہ بات مخفی نہ رہے۔ نسخہ کے آخری صفحہ پر کتاب کا

اختصاری عنوان "لطائف اولیسیہ" مندرج ہے۔

۱۳۔ لطائف اولیسیہ، ص ۵۔

۱۴۔ " " ، ص ۱۰۔

۱۵۔ " " ، ص ۱۵۔

۱۶۔ " " ، ص ۲۱۔

۱۷۔ " " ، ص ۳۴۔

۱۸۔ " " ، ص ۵۰۔

۱۹۔ " " ، ص ۶۰۔

۲۰۔ " " ، ص ۶۵۔

۲۱۔ " " ، ص ۶۹۔

۲۲۔ " " ، ص ۸۳۔

۲۳۔ " " ، ص ۹۳۔

۲۴۔ " " ، ص ۱۰۳۔

۲۵۔ " " ، ص ۱۱۰۔

۲۶۔ " " ، ص ۱۱۱۔

۲۷۔ " " ، ص ۱۱۶۔

۲۸۔ " " ، ص ۱۳۹۔

۲۹۔ " " ، ص ۱۴۵۔

۳۰۔ " " ، ص ۱۵۲۔

۳۱۔ " " ، ص ۱۵۹۔

۳۲۔ " " ، ص ۱۷۵۔

۳۳ " " ، ص ۱۸۶۔

۳۴ " " ، ص ۲۲۰۔

۳۵ " " ، ص ۲۲۴۔

۳۶ " " ، ص ۲۳۸۔

۳۷۔ لطائف اویسیہ، ص ۲۴۷۔

۳۸۔ " " ، ص ۲۴۹۔

۳۹۔ " " ، ص ۳۳۔ ۳۴۔

۴۰۔ بہ تصحیح ڈکتر محمد استعلامی، تہران، ص ۲۸۔ ۲۹۔

۴۱۔ لطائف اویسیہ، ص ۱۸۶، اور پوشیدہ نہ رہے۔ ان اعمالِ ہفتگانہ اویسیہ میں سے، خلوت در انجمن، نظر بر قدم، ہوش دردم" طریقت خواجگان نقشبندیہ، کی ہشتگانہ شرائط میں بھی شمار ہیں۔ ملاحظہ کیجئے، رشحات عین الحیات، تالیف علی بن حسین واعظ کاشفی، نولکشور، کانپور ۱۹۱۱ء، ص ۲۰۔

جادۂ جویائی حق

ملفوظات: عارف کامل، شیخ طریقت سہروردیہ

حضرت صوفی ابونصیر محمد نذیر غوری سہروردی دائم برکاتہم

مرتبہ: سید اویس علی سہروردی

تیرہویں مجلس

دست بوسی کے لئے حاضر خدمت ہوا تو موضوع گفتگو حضرت مجدّد الف ثانی احمدؒ سرہندی حنفی قدس سرہ العزیز سے متعلق تھا۔ آپ نے فرمایا کہ حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرہٗ کے والد بزرگوار رحمۃ اللہ علیہ واحد الوجود کے قائل تھے جبکہ حضرت مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ وحدت الشہود کے۔

میرے شیخ قبلہ حضرت، اللہ تعالےٰ آپ کی قبر کو نور سے منور فرمائے) آپ نے اپنی مشہور تصنیف "جمال الٰہی" میں وحدت الوجود اور وحدت الشہود کے باب میں وحدت الوجود کی مخالفت میں بہت ہی مدلل گفتگو فرمائی ہے۔ یہ فرما کر (آپ پر اللہ تعالےٰ اپنی رحمتیں نازل فرمائے) آپ نے مجھے پوچھا۔ آپ نے وہ حصّہ پڑھا ہے۔ میں نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ پڑھا تو ہے مگر چونکہ ابھی سمجھ میں نہیں آتا، اس لئے چھوڑ دیا ہے۔ کیونکہ ان تمام باتوں کا تعلق مشاہدات سے ہے اور میں ابھی صرف الفاظ کی ہی حد تک ہوں۔ اس لئے مجھ جیسے بے عملوں کے لئے اسے پڑھنا سوائے گمراہی میں الجھنے کے اور کچھ نہیں ہے۔ آپ میری یہ گفتگو سن کر فرمانے لگے۔ شاباش! یہ بہت اچھی بات ہے۔ ایک دفعہ میرے ایک دوست جو نقشبندی سلسلے میں عقیدت رکھتے تھے۔ مجھے مکتوب شریف حضرت مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ دیئے۔ میں انہیں پڑھتا رہتا۔ جس وجہ سے کئی روز تک حضرت شیخ الاسلام قدس سرہٗ کی خدمت اقدس میں حاضر نہ ہو سکا۔ کافی دنوں بعد جب میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے پوچھا۔ بھئی نذیر آج کل کون سی کتاب پڑھ رہے ہو؟ میں نے عرض کی۔ حضور مکتوبات شریف حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرہٗ پڑھ رہا ہوں۔ آپ نے فرمایا۔ ابھی انہیں مت پڑھو۔

میں نے عرض کیا۔ جیسے آپ کا حکم۔ ایک بات اور بھی آپ کو بتا دوں۔ آپ کی زبان میں میں نے عجب تاثیر دیکھی ہے۔ جس امر کے متعلق آپ مجھے حکم فرما دیتے کہ اسے چھوڑ دو یقین کریں۔ وہ میرے دماغ سے یوں نکل جاتا۔ جیسے وہ کام کبھی میں نے کیا ہی نہیں تھا۔ خیر میں نے مکتوبات شریف پڑھنے بند کر دیئے۔ کافی عرصہ گزر گیا۔ ۱۹۵۸ء میں حضرت شیخ الاسلام قدس سرہٗ کا انتقال ہو گیا۔ آپ کے وصال سے بھی کئی سال بعد آپ کے سالانہ عُرس سے ایک دن پہلے، شاید پیر کا دن تھا، میں اپنی عادت کے مطابق نماز فجر پڑھ کر سویا تو میں نے دیکھا کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تشریف لائے ہیں۔ میں نے آپ کی جناب میں عرض کیا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف، تعبداری اور سنت کے متعلق ارشاد فرمائیں۔

آپ نے میری جانب دیکھا اور مسکرائے۔ دو یا تین منٹ گزرتے ہیں کہ میں دوبارہ یہی عرض کرتا ہوں۔ آپ پھر میری جانب دیکھ کر مسکراتے ہیں۔ اسی طرح تیسری بار پھر دو تین منٹ گزرنے کے بعد میں نے دوبارہ یہی عرض کیا اور ساتھ یہ بھی عرض کیا کہ اس طرح سمجھائیں کہ مجھ جیسے بے علم کی سمجھ میں آجاتے۔ آپ پھر میری طرف دیکھ کر مسکراتے ہیں اور فرماتے ہیں۔ " اچھا " اور آپ تشریف لے جاتے ہیں۔

دوسرے دن عرس تھا۔ میں حضرت شیخ السلام قدس سرہٗ کے روضۂ اقدس امنجر وال چلا گیا وہاں ایک مولوی صاحب نے آیت پڑھی " الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون اور تقریر شروع کر دی۔ تقریر شروع کی تو وہ اپنے موضوع سے اس قدر دور چلے گئے کہ مجھے مداخلت کرنا پڑھی اور میں نے انہیں کہا کہ آپ اپنے موضوع کے متعلق کچھ ارشاد فرمائیں۔ یہ مولویانہ تقریر چھوڑیں۔ وہ بجائے مجھے جواب دینے کے بڑے ناراض ہوئے اور کہنے لگے کہ آپ خود تقریر کر لیں۔ میں نے انہیں کہا کہ اگر میں تقریر کر سکتا تو آپ کو زحمت نہ دیتا۔ خیر وہ بیٹھ گئے۔ دوسرے صاحب آئے۔ انہوں نے بھی یہی آیت پڑھی مگر موضوع سے دُور چلے گئے۔ اسی طرح تیسرے صاحب آئے اور وہ بھی موضوع سے ہٹ گئے۔ مجھے ایسے محسوس ہونے لگا۔ جیسے میرے اندر کسی نے آگ لگا دی ہو۔ اور یہ آتش اس قدر بڑھی کہ میں وہاں سے اُٹھ کر باہر چلا آیا۔

عرس ختم ہوا۔ میں گھر آیا۔ چند روز بعد میں نماز جمعہ پڑھنے کے لئے مجمع الکاملین، امام الواصلین حضرت عثمان بن علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش قدس سرہٗ العزیز کے آستانہ عالیہ

نے خشک مسجد میں گیا ۔ اب حسن اتفاق کہ وہاں بھی امام صاحب مولوی محمد عمر اچھروی ؒ نے وہی آیت پڑھی اور وہ بھی موضوع سے ہٹ کر ادھر ادھر کی سنانے لگے ۔ ادھر میرے اندر اس قدر تلخی بڑھی کہ بیان سے باہر ہے ۔ اسی دوران نماز کے لئے جماعت کھڑی ہوگئی ۔ لوگ ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو گئے اور میں ادھر ادھر دیکھ رہا تھا کہ اب یہاں سے نکلوں کیسے ۔ اتنے میں رکوع کے لئے امام صاحب نے اللہ اکبر کہا ۔ ناچار میں بھی اللہ اکبر کہہ کر ان کے ساتھ رکوع میں شامل ہوگیا ۔ مجھے یاد ہے ۔ سجدے سے فارغ ہو کر جب دوسری رکعت کے لئے قیام میں کھڑے ہوئے تو مجھے ایسے محسوس ہوا کہ میرے اندر جیسے کوئی چیز داخل ہو رہی ہے ۔ اس سے مجھے بڑی ٹھنڈک محسوس ہوئی اور یہ سلسلہ بڑھتا ہی رہا ۔ حتیٰ کہ نماز ختم ہو گئی ۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد میں بعد از فاتحہ قلعہ گوجر سنگھ سے ہوتا ہوا میکلوڈ روڈ پر حضرت موسیٰ آہنگر سہروردیؒ کے روضۂ اقدس پر حاضر ہوا ۔ فاتحہ پڑھی اور وہاں سے نکل کر پیدل ہی حضرت میاں میر قادری قدس سرہٗ العزیز کے آستانہ عالیہ پر پہنچ گیا ۔ وہاں مجھے اور ٹھنڈک اور خوشی میسر آئی حالانکہ وہ دن سخت گرمی کے تھے ۔

اس واقعہ کے تین روز بعد حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرہٗ پھر تشریف لائے اور میں نے پھر وہی سوال آپ کی خدمت میں عرض کیا ۔ آپ پھر اسی طرح مسکراتے رہے ۔ اب میں نے سوچا کہ حضرت مجدّد رحمتہ اللہ علیہ کے تشریف لانے کا مقصد یہ ہے کہ مجھے اب مکتوبات پڑھنے کی اجازت ہوگئی ہے ۔ میں نے مکتوبات پڑھنے شروع کر دیئے ۔ میں سچ کہتا ہوں کہ مجھے پڑھنے کا اس قدر لطف آیا کہ میں بیان نہیں کر سکتا ۔

یہ مکتوبات ، جو میں نے پڑھے ، دراصل انتخاب شدہ تھے اور یہ مجھے ملے اس طرح کہ میرے ایک دوست نے مجھے دعوت دی کہ میرے ہاں حضرت مجدّد الف ثانیؒ کے سجادہ نشیں تشریف لائے ہیں کیونکہ وہ تمہارے ہمشرب ہیں ۔ اس لئے آؤ میں تمہیں انہیں ملاؤں ۔

میں نماز جمعہ پڑھنے کے بعد ان کے ہاں چلا گیا ۔ ان سے ملاقات ہوئی ۔ میں نے انہیں پوچھا کہ آپ کے گھرانے میں ایک مسئلہ پیدا ہوا تھا ۔ کیا آپ اس کے متعلق کچھ بیان فرمانا پسند کریں گے ۔ انہوں نے کہا کہ میں اس مسئلے کو بتانے سے قاصر ہوں ۔ آپ یہ انتخاب شدہ مکتوبات کا نسخہ لے جائیں اور اسے پڑھ لیں ۔ ہو سکتا ہے ۔ اس طرح آپ کا مسئلہ حل ہو جائے گا ۔ میں وہ مکتوبات شریف ان سے لے آیا اور جیسے پہلے بیان کیا ۔ میرے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا ۔

چودہویں مجلس

قدم بوسی کے لئے حاضر خدمت ہوا۔ اللہ تعالےٰ آپ پر رحمتیں نازل فرمائے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میری اوائل عمری کا دور تھا۔ ہم کشمیری بازار) محلہ ککے زئیاں میں رہتے تھے۔ میری والدہ ماجدہؒ کا وصال ہو چکا تھا۔ میری دادی جانؒ اور میرے والد ماجدؒ حیات تھے۔ ہمارے محلے میں ایک قصاب رہتے تھے۔ میں آج تک روزانہ جب قرآن پڑھتا ہوں، انہیں ایصال ثواب کرتا ہوں کیونکہ انہوں نے بروقت میری صحیح رہنمائی کی تھی۔ وہ سلسلۂ قادریہ میں بیعت تھے۔ بہت اچھے پنجابی نعت گو شاعر تھے۔ ان کے شاگرد وہاں آتے اور ان سے اصلاح لیتے۔ چونکہ میں فارغ ہی تھا۔ اس لئے ان سے کچھ راہ و رسم زیادہ ہی پیدا ہو گئی۔ یہ راہ رسم بڑھتے بڑھتے اس حد تک آ گئی کہ میں ان کا شاگرد ہو گیا اور پنجابی اشعار کی اصلاح ان سے لینے لگا۔

ایک دن میری والدہ ماجدہ رحمتہ اللہ علیہ مجھے خواب میں ملیں۔ میں نے دیکھا کہ انہوں نے بڑی گندی چادر اوڑھی ہوئی ہے اور وہ ایک چارپائی پر بیٹھی ہیں۔ میں نے انہیں عرض کیا کہ آپ نے اتنی گندھی چادر کیوں اوڑھی ہوئی ہے۔ آپ نے فرمایا۔ تم توبہ کر لو، میں یہ گندی چادر اتار لیتی ہوں۔ میں نے عرض کیا۔ ٹھیک ہے۔ میں توبہ کرتا ہوں اور انہوں نے چادر اتار دی۔ میں نے دیکھا کہ آپ نے بڑے خوبصورت کپڑے زیب تن فرمائے ہوئے ہیں۔

اس خواب کا تذکرہ اپنے استاد محترمؒ سے کیا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تمہیں میں کچھ کہوں تو تم میرا کہنا مانو گے۔ میں نے کہا۔ بالکل جناب۔ انہوں نے فرمایا۔ ایک پیسہ کا تمباکو ہر اتوار کو اپنے محلے کے خاکروب کو دے دیا کرو اور ساتھ ایک سبق دیا اور کہا کہ ایک تسبیح پڑھ لیا کرنا اور چاہے لیٹ کر پڑھ لینا مگر وضو ہونا ضروری ہے۔ میں رات سوتے وقت جتنی دیر جاگتا رہتا، پڑھتا رہتا اور پھر سو جاتا۔ تین چار روز بعد مجھے انکشافات ہونے شروع ہو گئے اور میں آپ کی خدمت میں بیان کرتا رہتا۔ میرا ایک ساتھی، جو میرے ساتھ ہی آپ کا شاگرد ہوا تھا۔ وہ بھی خواب بیان کرتا۔ ایک روز وہ مجھے کہنے لگا کہ تم سچ مچ یہ خواب دیکھتے ہو۔ میں نے کہا۔ ہاں۔ اس نے کہا۔ میں تو یوں ہی بنا کر بیان کر دیتا ہوں تاکہ استاد صاحب یہ نہ سمجھ لیں کہ ایک شاگرد پیچھے رہ گیا،

اور ایک آگے نکل گیا ہے۔

ایک دن میرے استاد مجھے اپنے دادا پیر کے بیٹوں کے پاس ٹیکہ املی والا نزد پیسہ اخبار (انار کلی بازار) لے گئے۔ وہ حضرت پیر محمد شاہ صاحب شیخو شریف پاک پتن کے بیٹے تھے۔ اور ٹیکہ املی والا میں ان کی جائیداد تھی۔ اب بھی ان کی وہاں ایک بڑی کوٹھی ہے۔ ان کا نام پیر احمد حسین تھا۔

گیارہویں شریف کا ختم تھا۔ انہوں نے مجھے کھانے کے لئے چاول دیے۔ میں نے جو منہ میں ڈالے۔ وہ مجھ سے نگلے ہی نہ جائیں بلکہ قے کی صورت پیدا ہوگئی۔ میرے استاد مجھے بڑا سمجھائیں کہ ایسے نہیں کرتے۔ بڑا گناہ ہوتا ہے اور میں نے استاد جی سے کہا کہ جناب میرے گلے سے نیچے ہی نہیں جاتے۔ اتنے میں اندر سے پیر صاحب کا خادم آیا اور کہنے لگا کہ حضرت صاحب فرماتے ہیں۔ آپ اندر آجائیں۔ میں نے جا کر سلام کیا۔ انہوں نے بڑے پیار سے قریب بٹھالیا اور میرے استاد محترم کو فرمایا، جو ان کے والد صاحب کے مرید تھے۔ "بابا اسے چاول کھلائیں" انہوں نے کہا۔ یہ کہتا ہے کہ چاول کھائے نہیں جاتے اور ساتھ ہی میرا تعارف بھی کروا دیا کہ یہ میرا شاگرد ہے۔

(اس واقعہ سے پہلے ایک دن خواب میں میرے استاد محترم کے شیخ اور جن کے ہاں ہم آئے تھے۔ ان کے والد ملے اور ایک درود شریف پڑھنے کا فرما گئے تھے، جو میں پڑھتا تھا)

انہوں نے بھی میرے لئے بڑے تپاک سے چاول منگوائے مگر پہلے والی کیفیت ہوگئی۔ مجھے چاولوں میں سے بُو بھی آئے اور وہ مجھ سے کھائے بھی نہ جائیں۔ انہوں نے کہا۔ اچھا رہنے دو اور بتاؤ تمہیں کیا خواب آتے ہیں۔ میں نے سنا دیے۔ انہوں نے میرے استاد محترم سے کہا۔ بابا اب یہ ہمارے اور تمہارے کنٹرول سے باہر ہوگیا ہے۔ اس کا تعلق ہمارے والد بزرگوار سے بلاواسطہ ہوگیا ہے۔ اب تم اسے کوئی سبق نہ دینا۔

اس کے بعد نعتیں اور منقبت وغیرہ پڑھنی شروع ہوئی۔ مجھے بھی میرے استاد محترم نے حکم دیا۔ میں نے منقبت کا یہ مصرع پڑھا جو شاید حضرت بو علی قلندر رحمتہ اللہ علیہ کا تھا اب مجھے یاد نہیں رہا کیونکہ یہ واقع میرے ابتدائی دَور کا ہے۔

چو بر شیراں شرف دارد سگ درگاہ جیلانی
کرم سے پار کر بیڑا جناب شاہ جیلانی "

اور اسی کو دہرانے لگا۔ چونکہ میں خوش الحان نہیں تھا۔ اس لئے ایک دو دفعہ اسی مصرع کو پڑھنے کے بعد بیٹھ گیا اور اس دن کے بعد سے آج تک پھر کبھی بھی کسی مجلس میں مجھ سے نعت یا منقبت نہیں پڑھی گئی۔

پندرویں مجلس

قدم بوسی کے لئے حاضر ہوا تو گفتگو تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء کے بارے ہو رہی تھی۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جب ختم نبوت تحریک شروع ہوئی تو میرے شیخ قبلہ حضرت صاحب قدس سرہٗ العزیز نے مجھے فرمایا کہ تم اس معاملے میں خاموشی اختیار کر لو۔ یعنی اس معاملے میں دخل انداز نہ ہونا۔ میں نے عرض کیا ٹھیک ہے۔ ایسے ہی ہوگا۔ مگر جب میں یہ دیکھوں کہ لوگ اس میں شرکت کے لئے جا رہے اور قید ہو رہے ہیں تو میرا دل بہت چاہے۔ ایک اور بات بھی عرض کر دوں۔ میں فطری طور پر قید کے خلاف ہوں۔ قید کے طور پر اگر اسی جگہ آپ مجھے ایک دن بٹھا دیں تو میں نہیں بیٹھ سکتا۔ ویسے چاہے ایک ہفتہ بیٹھا رہوں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میں سمجھتا ہوں کہ گولی کھا کر مر جانا بہتر ہے۔ وہ اس لئے کہ قید میں تو آدمی سسک سسک کر مرتا ہے اور وہ موت بزدلانہ ہے جبکہ آگے بڑھ کر موت کو گلے لگانا بہادرانہ فعل ہے اور دلیری کی موت ہے۔

اسی لئے میرا دوستوں سے ہمیشہ اختلاف رہا ہے۔ کشمیر ایجی ٹیشن میں بھی میں نے قید ہونے کو اچھا نہیں سمجھا کیونکہ قید میں جذبات مجروح ہو جاتے ہیں۔ وہاں گھر والے یاد آتے ہیں۔ دوست عزیز یاد آتے ہیں اور انسان اپنے مقصد کو بھول جاتا ہے۔ خیر میں نماز جمعہ پڑھنے مسجد وزیر خاں جاتا تھا اور وہاں مولوی محمد احمد صاحب رحمتہ اللہ علیہ نماز جمعہ پڑھاتے تھے جو اس تحریک کے بڑے سرگرم لیڈر تھے۔ چونکہ حضرت قبلہؒ نے منع فرمایا تھا۔ اس لئے میں ویسے تو تحریک ختم نبوت کے جلوسوں میں شریک نہ ہوں بلکہ دل میں خیال کروں کہ کوئی ایسی جگہ ہو۔ جہاں چاقو چھریاں وغیرہ چلیں اور میں بھی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر قربان ہو جاؤں۔

حضرت قبلہ شیخ السلام قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر تھا۔ میرے علاوہ میرا برادرِ روحانی چوہدری امتیاز سیکرٹری محکمہ خوراک پنجاب بھی بیٹھا تھا۔ اس سے بھی کوئی غلطی وغیرہ سرزد ہوئی تھی اور وہ بھی آپ کی خدمت میں اسی غرض سے بیٹھا تھا۔ حضرت شیخ السلامؒ نے فرمایا۔ چلو بھئی دربار حضرت داتا گنج بخش قدس سرہٗ چلیں۔ وہاں جاکر مراقبہ کیا۔ پہلے تو بھائی چوہدری امتیاز کا معاملہ پیش ہوا اور وہ حل ہوگیا۔ میری باری آئی تو حجۃ الکاملین امام السالکین حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ بہت ناراض تھے۔ آپ میرے شیخ قدس سرہٗ کو فرمانے لگے۔ اسے کیوں نہ میں سزا دوں اتنے آدمی جو تحریک ختم نبوت میں گولیوں کا نشانہ بنے ہیں۔ ان کا ذمے دار کون ہے۔ اس کے سپرد یہ علاقہ تھا۔ یہی اس کا ذمہ دار ہے۔ اس نے ارادہ کیوں کیا۔ میں نے آپ کی جناب میں عرض کیا۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ حضور نبی اکرم رؤف الرحیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بے پایاں محبت کی طفیل میں اپنے دل پر قابو نہ رکھ سکا۔ میں نے نہ تو کسی سے اس کا ذکر کیا ہے، نہ کسی کو اس کام کے لئے تیار کیا ہے بلکہ اس ارادہ اور خواہش کو میں جانتا ہوں یا میرا خدا۔ چنانچہ بڑی مشکل سے اس دن معافی ہوئی۔

سولھویں مجلس

قدم بوسی کے لئے حاضرِ خدمت ہوا تو آپ کی جناب میں عرض کیا کہ مراقبہ میں جو کیفیات سامنے آتی ہیں۔ اس میں مراقب کی اپنی مرضی شامل ہوتی ہے یا نہیں؟

اللہ تعالیٰ آپ پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ مراقبے کا مطلب ہے انتظار۔ مراقبہ کرنے والا صرف انتظار میں بیٹھ جاتا ہے۔ جو کچھ واردات ہوتی ہے۔ وہ من جانب اللہ ہوتی ہے۔ اس میں مراقبہ کرنے والے کی کوئی مرضی شامل نہیں ہوتی بلکہ اس واردات کا تعلق مراقبہ کرنے والے کی حیثیت سے منزدر ہوتا ہے۔ اگر اس کی حیثیت سے زیادہ تجلیات ہو جائیں تو وہ آپے سے باہر ہوجاتا ہے یعنی مجذوب ہوجاتا ہے۔

دوسرا ان تجلیات سے کئی گمراہ بھی ہوجاتے ہیں۔ جو لوگ اس راستے پر چلتے ہیں۔ ان میں سے اکثر ابتدائی مکاشفات میں ہی رہ جاتے ہیں۔ یہ اسی طرح ہے۔ جیسے کسی کو حیثیت ایک من بوجھ اٹھانے کی ہو اور اسے کہہ دیا جائے کہ جاؤ جتنا مرضی سامان اٹھا لو اور وہ ایک من

کی بجائے پانچ من اٹھالے تو اب آپ خود ہی سوچ لیں کہ اس کا حشر کیا ہوگا۔ دوران گفتگو میں نے ان لوگوں کے متعلق آپ سے پوچھا جو نشے کی حالت میں رہتے ہیں اور درویشی کا دم بھی بھرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ وہ بالکل غلط لوگ ہیں۔ یاد رکھیں جو درویش ان افعال کے مرتکب ہوتے ہیں۔ جن کی شریعت میں ممانعت ہے تو وہ اگر ہوا میں بھی اڑ کر دکھا دیں۔ ان کی دین اور طریقت میں کوئی حیثیت نہیں رہی یہ بات کہ نشے کی وجہ کیا ہے تو میں یہ سمجھتا ہوں کہ ہو سکتا ہے۔ وہ اسے شروع میں سکون اور یکسوئی کے اختیار کرتے ہوں اور بعد میں صرف نشہ ہی باقی رہ جاتا ہو، درویشی کسی اور جہاں میں پناہ لے لیتی ہے۔ میری اس بات کی دلیل ہے جو میں اپنی ایک آپ بیتی کی صورت میں سناتا ہوں۔

میں ان دنوں چوک وزیر خاں میں بزاز کی دوکان کرتا تھا۔ مجھے ایک دفعہ بڑا سخت نزلہ ہوا میں بڑی بری حالت میں وہاں بیٹھا تھا کہ ایک آدمی آیا جو اکثر وہاں سے گزرتا تھا۔ وہ مجھے کہنے لگا۔ اگر آپ برا نہ منائیں تو میں آپ کو ایک علاج بتاؤں۔ جس سے آپ ابھی ٹھیک ہو جائیں گے۔ میں نے کہا۔ بتاؤ۔ اس نے کہا۔ آپ یہ فلفل سیاہ جتنی افیون کھالیں۔ میں نے افیون کا نام سنا تھا کہ طب یونانی میں اس کا استعمال ہوتا ہے مگر اس کے اثرات سے ناواقف تھا۔ میں نے اسے کہا۔ ہاں دو۔ اس نے مجھے فلفل سیاہ جتنی افیون دے دی۔ میں نے اس سے لی اور کھالی۔ تھوڑی دیر بعد میرا رنگ متغیر ہونے لگا تو اس نے مجھے فوراً کہا۔ آئیں صاحب گھر چلے چلیں اور رات کو دودھ ضرور پینا۔ میں نے دوکان بند کی اور گھر آگیا۔ وہ آدمی مجھے گھر تک چھوڑنے آیا۔ گھر آکر مجھے اتنی ہوش تھی کہ میں نماز مغرب پڑھ سکوں۔ میں نماز کے لئے کھڑا ہوا تو نماز پڑھتے مجھے اس قدر ذوق اور یکسوئی حاصل ہوئی کہ آج تک نماز پڑھنے میں وہ لطف نہیں آیا۔ اس وقت میرے خیال میں فوراً آپ والا سوال آیا اور مجھے سمجھ آگئی کہ جو لوگ نشہ کرتے ہیں۔ وہ اسی لئے نشہ آور چیزوں کا استعمال شروع کرتے ہیں تاکہ انہیں سکون اور یکسوئی حاصل ہو مگر بعد میں وہ اس کے عادی ہو جاتے ہیں اور مقامات بلند چھوڑ جاتے ہیں۔ میں نے عرض کیا۔ حضور اس میں شیطان کا عمل دخل نہیں ہوتا۔ آپ نے فرمایا۔ شروع میں ہوتا ہے مگر جب وہ عادی ہو جاتے ہیں تو بغیر شیطان کے بہکاوے میں آئے وہ ان چیزوں کا استعمال کرتے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایسی علتوں سے محفوظ رکھے۔ ہمیں حضور نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ

والسلام کی پیروی میں زندہ رکھے اور اسی پر موت دے۔

برادرم عبدالعزیز خاں سلمہ تعالیٰ نے بات کو بڑھاتے ہوئے کہا کہ حضرت داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ کا ایک ارشاد بحوالہ کشف المحجوب سنا ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ میرے شیخ ۶۰ سال تک تنہائی کی تلاش میں رہے اور آخر کار وہ اپنا نام دنیا کی نظروں سے محو کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ آپ پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ان کی تنہائی وہ ہوتی ہے۔ جس میں ان کے مالک حقیقی کا قرب ہو۔ وہ تنہائی اس طرح کی نہیں، جیسے آپ سمجھے ہیں۔ وہ تنہائی یہ ہے کہ ؎ من تن شدم تو جان شدی، من جاں شدی تو تن شدم، تاکس نہ گوید بعد ازاں من دیگرم تو دیگری۔

درویش کے ابتدائی حالات اور ہوتے ہیں اور انتہائی اور۔ جب ابتدا میں وہ نماز کی طرف راغب ہوتا ہے تو شیطان اس کو کچھ نہیں کہتا مگر جب ہفتہ پندرہ دن، وہ پختہ ہوتا ہے، تو اپنے چیلوں کو کہتا ہے کہ اسے اس امر سے ہٹاؤ۔ چنانچہ وہ کئی طریقوں سے سالک کو اپنے راستے سے بھٹکانے کے طریقے اپناتے ہیں۔ نفس ان سب کا بڑا بھرپور ساتھ دیتا ہے اور نفس امارہ شیطان سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔

اس کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ اگر یہ سب کچھ نہ ہو تو انسان کی قدر و قیمت بھی کچھ نہیں۔ آپ دیکھیں آپ کے گھر میں اگر کوئی بچہ بڑا صحیح رویہ اپنائے تو آپ کی توجہ اس طرف زیادہ نہیں ہوتی اور جو زیادہ شرارتی ہو۔ اسے آپ اپنی پوری توجہ میں رکھتے ہیں۔ بین ہی اسی طرح انسان ہے۔ چونکہ یہ اتنے دشمنوں سے جنگ کرتا ہے۔ اس لئے مخلوقات میں یہ اللہ تعالیٰ کی زیادہ توجہ کا مستحق قرار پایا ہے۔ دوران گفتگو غلام نے عرض کیا۔ حضور جن شخصیات کو نفس مطمئنہ حاصل ہے۔ کیا ان پر یہ کیفیت طاری نہیں ہوتی؟

اللہ تعالیٰ آپ پر اپنے انعامات و نوازشات کی بارش فرمائے۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ ان پر زیادہ اس طرح کی کیفیات طاری ہوتی ہیں۔ یاد رکھیں۔ جتنی پوزیشن کا آدمی ہوتا ہے۔ اسے شیطان اسی کے معیار سے ورغلانے کی کوشش کرتا ہے۔

حضرت فخرالدین رازیؒ یا کسی بزرگ کے متعلق روایت ہے کہ انہوں نے دلائل ذات باری تعالیٰ جل شانہ کے حق میں یاد کئے ہوئے تھے مگر وقت وصال شیطان نے ان کو بہکایا تو انہوں

نے پہلی دلیل سے اس کا ردّ کیا۔ شیطان نے دوسری دلیل دی تو آپ نے بھی ایک اور دلیل سے اس کی بات کا ردّ کیا۔ علیٰ ھذا قیاس شیطان نے حضرت کے ۹۹ دلائل ختم کروا دیئے۔ ادھر ان کے دوست یہ منظر دوران وضو دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے کہا۔ وہیں سے چلّو بھر پانی پھینکا اور ساتھ کہا۔ کیوں نہیں اسے کہتا کہ میں اللہ تعالیٰ کو بغیر دلیل کے مانتا ہوں۔ چنانچہ آپ نے شیطان کو یہ کہہ کر اپنا ایمان بچایا۔ سو جتنی کسی کی حیثیت ہوتی ہے۔ شیطان اسے اتنی حیثیت میں ہی آکر ورغلاتا ہے۔

آپ کے ہمعصر ایک بزرگ حضرت نجم الدین کبریٰ قدس سرہٗ العزیز تھے۔ وہ بھی اپنے زمانے کے بہت بڑے بزرگ تھے۔ آپ کا تعلق بھی سلسلۂ سہروردیہ سے ہی ہے۔ وہ اپنے شیخ کے حکم سے حضرت شیخ عمار یاسر رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچے۔ جب کافی عرصہ ان کی خدمت میں گزر گیا، تو آپ فرماتے ہیں کہ میرے دل میں ایک روز یہ وسوسہ پیدا ہوا کہ باطنی علوم میں شیخ مجھ سے بڑھ کر ہیں مگر ظاہر علوم میں میں شیخ سے بڑھا ہوا ہوں۔ صبح شیخ نے مجھے کہا۔ اٹھو نجم الدین اب تم مصر میں حضرت شیخ روزبہان قدس سرہٗ العزیز کی خدمت میں چلے جاؤ۔ وہ باقی کسر جو رہ گئی ہے پوری کر دیں گے۔ آپ فرماتے ہیں۔ میں مصر جب آپ کی خانقاہ میں پہنچا تو آپ وہاں موجود نہ تھے اور آپ کے مرید مراقبے میں مشغول تھے۔ کسی نے میری طرف توجہ نہ کی۔ وہاں اس جماعت کے ایک شخص سے میں نے پوچھا کہ اس جماعت میں شیخ کون ہیں۔ اس نے کہا۔ وہ باہر ہیں۔ میں باہر نکلا تو آپ وضو فرما رہے تھے۔ میں نے آپ کی طرف دیکھ کر سوچا کہ کیسے شیخ ہیں۔ جن کو یہ بھی پتہ نہیں ہے کہ اتنے تھوڑے پانی سے وضو کرنا جائز نہیں ہے۔ آپ وضو کر کے خانقاہ میں آئے اور دو رکعت تحیۃ الوضو پڑھنے میں مشغول ہو گئے۔ میں منتظر کھڑا رہا کہ آپ سلام پھیریں تو میں سلام کہوں مگر آپ نفل پڑھتے پڑھتے غائب ہو گئے۔

ادھر مجھے اونگھ سی آ گئی۔ میں نے دیکھا کہ قیامت قائم ہے۔ فرشتے لوگوں کو پکڑتے ہیں اور آگ میں ڈال رہے ہیں۔ آگ کے راستے میں ایک ٹیلہ ہے اور اس پر ایک شخص بیٹھا ہے۔ جو شخص یہ کہہ دیتا ہے کہ میرا تعلق ان کے ساتھ ہے۔ فرشتے اسے چھوڑ دیتے ہیں۔ مجھے بھی پکڑ کر فرشتے لے چلے ہیں۔ جب اس ٹیلے کے پاس پہنچے تو میں نے بھی کہا کہ میرا تعلق ان کے ساتھ ہے۔ انہوں نے مجھے بھی چھوڑ دیا۔ میں اس شخص کے پاس گیا ہوں۔ دیکھا کہ وہ

حضرت شیخ روزبہان قدس سرہٗ ہیں۔ آپ نے ایک دو دستی میری پیٹھ پر ماری اور کہا اب آئندہ اہل حق کا انکار نہ کرنا۔ مجھے ہوش آیا تو میں نے دیکھا۔ آپ سلام پھیر رہے ہیں۔ میں بڑھ کر آپ کے قدموں میں گر پڑا۔ انہوں نے اسی طرح ایک دو دستی میری پیٹھ پر ماری اور کہا۔ اب آئندہ اہل حق کا انکار نہ کرنا۔ آپ کا یہ فرمانا تھا کہ میرے دل کی وہ بیماری دور ہو گئی۔ آپ نے مجھے فرمایا۔ عمار یاسرؒ کے پاس واپس چلے جاؤ۔ اور ایک خط بھی ساتھ دیا۔ جس پر لکھا تھا۔ تمہارے پاس جتنے بھی لوگ تانبے کی طرح ہوں۔ میرے پاس بھیج دو۔ میں انہیں خالص سونے کا بنا کر تمہارے پاس بھیج دوں گا۔

حضرت نجم الدین کبریٰ قدس سرہٗ کا اپنا یہ حال تھا کہ آپ ایک دن اصحاب کے متعلق واعظ فرما رہے تھے کہ ایک مرید کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ حضرت نبی رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت میں بھی کیا کوئی ایسا شخص ہوگا کہ جس کی محبت کتے پر اثر کرے۔ شیخ نے اپنے نور باطن سے یہ بات معلوم کر لی اور خانقاہ کے دروازے پر آ کر کھڑے ہو گئے۔ اتنے میں ایک کتا دُم ہلاتا قریب کھڑا ہو گیا۔ آپ نے اس پر توجہ فرمائی۔ وہ کتا اسی وقت متحیّر و بے خود ہو گیا۔ وہ جدھر جاتا، پچاس ساٹھ کتے اس کے پیچھے رہتے۔ وہ شہر سے دور قبرستان میں سر رگڑتا رہتا۔ کچھ دنوں بعد وہ مر گیا۔ شیخ نے کہا۔ اسے دفن کر دو۔

سترہویں مجلس

دست بوسی کے لئے حاضر خدمت ہوا تو چوہدری امتیاز سہروردی سلمہٗ تعالیٰ نے زکوٰۃ کے متعلق پوچھا کہ کیا زکوٰۃ یکمشت دینی چاہیئے یا اقساط میں ادا کرنی چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ آپ پر اپنی ہزاروں رحمتیں نازل فرمائے۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ سب سے پہلے زکوٰۃ کا حساب کرنا چاہیئے کہ کتنی زکوٰۃ بنتی ہے۔ جب حساب ہو جائے تو اگر آپ کے پاس رقم ہے تو یکمشت دے دیں۔ اگر نہیں ہے تو جوں جوں آپ کے پاس پیسے آتے جائیں، زکوٰۃ دیتے جائیں۔ دوسرا یہ کہ آپ ہر قسم کا باعزت خرچ کریں۔ یہ نہیں کہ آپ سوچیں کہ آگے زکوٰۃ دینی ہے۔ اس لئے گھر کے اخراجات میں کمی کر دیں کہ یہ زیادہ نیکی ہے۔ یہ بات صحیح نہیں۔ اپنی حیثیت

کے مطابق خرچ کریں۔ اولاد کی تربیت خوب اچھی کریں۔ ان کو خوب کھانے پینے کے لئے دیں۔ پھر جو بچ رہے۔ اس میں سے زکوٰۃ دیں۔۔

جناب چوہدری امتیاز احمد سلمہٗ تعالےٰ نے مزید کہا کہ میں آج ایک ایسے شخص سے مل کر آرہا ہوں۔ جس نے بھارت بلڈنگ والی جگہ خریدی ہے۔ وہ مجھے بتارہا تھا کہ میں نے اس سال ڈیڑھ کروڑ روپیہ انکم ٹیکس دیا ہے مگر پھر بھی میں زکوٰۃ دیتا ہوں۔

اللہ تعالےٰ آپ پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہ بہت اچھی بات ہے۔ آپ پانچ آدمی میرے پاس بیٹھے ہیں۔ آپ لوگ اس ۲۹۔ رجب سے اپنی زکوٰۃ کا حساب کر لیں۔ اس سے آپ کو یہ فائدہ ہوگا کہ آگے شعبان اور رمضان میں اسے خیرات کرنے سے اس کے ثواب میں کئی گنا اضافہ ہوگا کیونکہ حضرت نبیؐ رؤف الرحیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ شعبان میرا مہینہ ہے اور رمضان اللہ کا مہینہ ہے۔ رمضان شریف میں آپ ایک نفل پڑھیں گے تو ایک فرض کا ثواب ہوگا اور ایک فرض پڑھیں گے تو ۷۰ فرضوں کا ثواب ہوگا۔ اس طرح رمضان میں دی گئی خیرات کا ثواب کئی گنا زیادہ ہوگا۔

اس موقع پر برادرم محمد انیس سلمہٗ تعالےٰ نے عرض خدمت کیا کہ پھر ایسا کیوں نہ کیا جائے کہ زکوٰۃ کا حساب رمضان میں ہی کیا جائے۔ اللہ تعالےٰ آپ پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔ آپ نے فرمایا۔ ۲۹۔ رجب کو حساب کرنا اس لئے بھی بہتر ہے کہ شب قدر میں تمام انسانوں کا بجٹ مرتب ہوتا ہے۔ چنانچہ آپ کے حساب میں ایک فرض کی ادائیگی لکھی جائے گی۔ دوسرا شب قدر کی مناسبت سے ایک بات اور عرض کر دوں کہ آپ شب قدر کے مہینے میں اپنی جائز حاجات ہر نماز کے بعد خداوند تعالےٰ کی جناب میں عرض کریں اور پندرہ اسولہ رجب تک کرتے جائیں۔ ہوسکتا ہے کہ اسی سال بجٹ میں اللہ تعالےٰ منظوری فرماکر آپ کے بجٹ میں لکھ دیں۔ شاید آپ نے نہ سنا ہو۔ میں جب چھوٹا تھا تو سنا کرتا تھا کہ آسمانوں میں ایک درخت ہے۔ جس نے اگلے سال مرنا ہوتا ہے۔ اس کے نام کا پتا درخت سے علیحدہ ہو کر گر جاتا ہے۔

اللہ تعالےٰ آپ پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ شب قدر کو اللہ تعالےٰ نے نبیؐ کریم رؤف الرحیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وہ قرب عطا فرمایا ہے جو ۱۷ ہزار ۱۱۹ دوسری مخلوق میں سے کسی کو عطا نہیں ہوا۔

اٹھارویں مجلس

قدم بوسی کے لئے حاضرِ خدمت ہوا تو گفتگو اخراجات کے بارے میں ہو رہی تھی کہ مسلمان کو اپنی حیثیت کے مطابق اخراجات کرنے چاہئیں۔ خصوصاً اللہ کے راستے میں صدقہ، ہدیہ اور خیرات اچھی دینی چاہیئے یعنی اپنی حیثیت کے مطابق اللہ کی راہ میں خرچ کرنا چاہیئے۔

اللہ تعالےٰ آپ پر اپنے انعامات و نوازشات کی بارش برسائے۔ آپ کی حیات میں برکت فرمائے۔ آپ نے اس ضمن میں فرمایا کہ میرا ایک برادر طریقت سید نثار شاہ، اللہ اُسے غریقِ رحمت کرے۔ ایک دن مجھے کہنے لگا کہ بھائی ختم پڑھ دیں۔ میں نے ختم پڑھنے سے پیشتر دیکھا تو وہ چنوں کا پلاؤ تھا۔ میں نے انہیں کہا کہ یہ خیرات جو آپ کر رہے ہیں۔ میرا انہیں خیال کہ قبول ہو کیونکہ یہ آپ کی حیثیت کے مطابق نہیں۔ اللہ نے آپ کی حیثیت گوشت کے پلاؤ کی بنائی ہے اور آپ چنوں کے پلاؤ پر اکتفا فرما رہے ہیں۔ آپ جو خود کھاتے ہیں۔ وہی اللہ کی راہ پر دیں۔

آپ نے فرمایا۔ ہمارے شیخ قبلہ و کعبہ قدس سرہٗ اپنی حیات فانی میں ہمیشہ ۱۱ اور ۱۲ ربیع الاول کی درمیانی رات کو عید میلاد النبیؐ کے سلسلے میں بڑا عظیم الشان جلسہ منعقد فرماتے تھے اس موقع پر دور دراز سے مریدین و متوسلین پہنچتے تھے۔ ایک جلسے کے موقع پر دوپہر کا کھانا کھلاتے دیر ہو گئی۔ اس وجہ سے رات کے کھانے کے لئے گوشت نہ مل سکا کیونکہ کھانا پکوانے کا سارا انتظام میرے ذمہ ہوتا تھا۔ اس لئے میں نے ہی جرأت کر کے حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں عرض کیا کہ حضور دیر ہو جانے کی وجہ سے گوشت نہ مل سکا۔ آپ نے فرمایا۔ پھر کیا کیا جائے۔ میں نے عرض کی۔ حضور چنوں کی دال پکا دیتے ہیں۔ آپ کی قبر اللہ تعالےٰ نور سے منور فرمائے۔ آپ نے فرمایا۔ بیٹا یہ نہیں ہو سکتا۔ سارا سال جس کا صدقہ کھاتے رہتے ہیں۔ اس کے نام پر دال نہیں پکائی جا سکتی۔ جاؤ سارا شہر چھان مارو۔ جتنا مہنگا گوشت ملے لے آؤ۔ چنانچہ آپ کے حسب ارشاد ایسا ہی کیا گیا۔

اس کے بعد گفتگو سرورِ کائنات، رحمۃ اللعالمین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ادب و احترام

کے بارے میں شروع ہو گئی۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ اسلام کی اصل حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب ہی ہے۔ ایک صحابی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے والد کا انتقال ہو گیا۔ جب آپ وہاں تشریف لے گئے تو آیت نازل ہوئی کہ یا رسول اللہؐ آپ اس کے لئے دعا نہ فرمایئے گا کیونکہ یہ منافق تھا اور آپ کا بے ادب تھا۔ پھر ایک اور جگہ اللہ تبارک وتعالےٰ کا ارشاد ہے کہ اے لوگو! ہمارے نبی معظم ومکرم کی طرف رجوع کرو۔ ارشاد ہوتا ہے۔

" وَمَا أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذ ظَّلَمُوا أَنفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَّحِيمًا ۝ النساء ۶۴۔

اور جب ان لوگوں نے (آپ کی نافرمانی کر کے) اپنے اوپر آپ ظلم کر لیا تھا (اس وقت) یہ لوگ تمہارے پاس آتے اور اللہ سے معافی مانگتے۔ اور رسول بھی ان کے لئے معافی چاہتا، تو یقیناً اللہ کو بڑا توبہ قبول کرنے والا، اور مہربان پاتے۔

تو بھائی اللہ تعالےٰ نے مغفرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی اور آمادگی سے مشروط کر دی۔

ایک اور صحابی جو کاتب وحی بھی تھے۔ اس کے تمام اعمال صالحہ ایک لغزش سے سب کے سب اکارت چلے گئے۔ ہوا یوں کہ جب سورۂ المؤمنون ۲۳ کی ابتدائی آیات جن میں انسانی خلقت کے بارے میں اللہ تعالےٰ نے بیان فرمایا ہے، اتریں اور جب ۱۴ ویں آیت کے آخری حصے فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ ۝ کو سرکار دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ لکھو تو اس کی زبان پر بھی اسی لمحے وہی الفاظ تھے۔ اس نے سمجھا یہی نبوت ہے۔ بس اس کے اس خیال نے اسے ہلاک کر دیا۔

اس ضمن میں ایک اور بات آپ کو بتاتا چلوں۔ صوفیا میں توجہ کے جو مختلف طریقے رائج ہیں۔ ان میں ایک کو توجہ کہتے ہیں۔ " توجہ انعکاسی" یعنی جب کوئی شیخ گفتگو فرما رہا ہو تو جو سالک اپنی توجہ کو ہر طرف سے قطع کر کے ان باتوں کو بڑے غور سے سنے۔ اگر شیخ آسمان کی کسی بات کا ذکر فرما رہا ہے تو بعض اوقات وہ سالک ان عوامل کو دیکھ بھی لیتا ہے۔ اب ہوتا کیا ہے؟ ہوتا یہ ہے کہ شیخ کا پرتو سالک پر انعکاس ہوتا ہے۔ جس طرح سورج کی روشنی

ہم آئینے سے منعکس کر لیتے ہیں تو منعکس شدہ روشنی ہوتی تو سورج کی ہی ہے مگر آئینے کی بدولت تو اب اگر سالک اس مقام کو اپنی قابلیت سمجھے تو وہ ہلاک ہو گیا اور اگر شیخ کی روحانیت اور بلندیٔ درجات کی برکت سمجھے تو کامیاب ہو گیا۔

میرے ساتھ خود ایک دفعہ ایسا واقع پیش آیا۔ ہوا یوں کہ حضرت شیخ الاسلام قدس سرہٗ العزیز، اللہ تعالےٰ آپ کی قبر مبارک نور سے منور فرمائے۔ آپ ایک دفعہ لاہور کے مضافات میں جلسہ عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلے میں سماتی کھوئی بمقام ہنجروال گئے ہوئے تھے۔ میں بھی آپ کے ہمراہ تھا۔ دوران وعظ آپ نے سدرۃ المنتہا کے متعلق ارشاد فرمایا۔ اب دوران وعظ میں نے وہ مقام اچھی طرح دیکھا۔ وعظ کے بعد میں نے آپ کی خدمت میں وہ کیفیت بیان کی، تو آپ نے فرمایا۔ ہاں اسی طرح ہے۔

اُنیسویں مجلس

گفتگو سالک اور مجذوب کے درمیان فرق کے متعلق شروع ہو گئی۔ برادرم روحانی چوہدری امتیاز احمد سلمہٗ تعالےٰ نے عرض کیا کہ اللہ تعالےٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ ہم اتنا ہی بوجھ کسی پر ڈالتے ہیں، جتنا کوئی بوجھ اٹھا سکے تو مجذوب ہونے کی وجہ پھر کیوں پیدا ہوتی ہے؟ جبکہ اسے اتنا ہی مشاہدہ کرا دیا جانا چاہیئے، جتنا وہ متحمل ہو۔

اللہ تعالےٰ آپ پر اپنے انعامات کی بارش برسائے۔ آپ نے فرمایا۔ بیٹا صورتحال یہ ہوتی ہے کہ عشاق ہمیشہ اپنی حیثیت سے بڑھ کر دیدار کے طالب ہوتے ہیں۔ چنانچہ کلیہ تو یہی ہے کہ حیثیت کے مطابق مشاہدہ کروایا جائے مگر جو آتش عشق اپنے سینوں میں لئے پھرتے ہیں۔ ان کے لئے قرینے سے ہٹ کر سلوک کیا جاتا ہے۔ آپ دیکھیں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات بعد از خدا افضل ترین ہوتی ہے اور وہ مشیت ایزدی سے ہٹ کر کوئی بات نہیں کرتے مگر اللہ کے ایک نبی موسےٰ علیہ السلام ایسے بھی ہوئے ہیں جو بلا واسطہ رب ذوالجلال والاکرام سے بات چیت کرتے تھے۔ ایک دن انہوں نے عرض کی۔ رب ارنی۔ اللہ تعالےٰ نے ارشاد فرمایا۔ لن ترانی۔ مگر وہ دیدار کرنے پر مصر رہے۔ یہ کیفیت ہوتی ہے عشاق کی۔ چنانچہ مفسرین لکھتے ہیں کہ جس جگہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تجلی فرمائی۔ اس جگہ کے اردگرد

۱۲ میل کے علاقے سے تمام ذی روح کو نکال دیا اور کوہ طور پر تجلی فرمائی۔ اس کے انعکاس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو گئے۔ اب یہ بے ہوشی اس تمنا کی وجہ سے تھی، جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کی حالانکہ قرینہ اسی گفتگو تک ہی تھا۔ اسی طرح مجذوب کی کیفیت ہوتی ہے۔ وہ اپنی بساط سے بڑھ کر تمنا کر لیتا ہے اور بعد ازاں تجلی کی زیادتی کی وجہ سے اپنے آپ میں نہیں رہتا۔ وہ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام تھے۔ جو نبی تھے اور نبی کبھی مجذوب نہیں ہو سکتا۔ اس لئے ہوش میں آ گئے مگر عام انسان کی کیا حیثیت ہے۔ حضرت موسیٰ نے ہوش میں آتے ہی فرمایا۔

"تبت الیک و انا اول المسلمین"

اسی کو صوفیاء توجہ انعکاسی کہتے ہیں۔

شیخ قبلہ عالم قدس سرہٗ اپنی تصنیف لطیف "الفقر و فخری" میں تحریر فرماتے ہیں کہ فیضان معرفت ارادت مند پر اس طرح جلوہ گر ہوتا ہے۔ جیسے سورج آسمان پر ہو اور دھوپ زمین پر پڑے اور اس کا عکس مکان کے اندر پایا جائے۔ یہ توجہ اس وقت ہوتی ہے۔ جب مرید براہ راست انوار و تجلیات الٰہیہ کے بے حجابانہ پانے کے لئے بے قرار ہو۔ جس کی بہترین مثال سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے قصے میں قرآن کریم نے ارشاد فرمائی ہے۔ یعنی موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ ایزدی میں جب دیدار بے حجابانہ کی تمنا کی تو حکم ہوا کہ تو نہیں دیکھ سکتا دیکھنے کے لئے میرے اور اپنے درمیان پہاڑ کو تجلی گاہ بنا لے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور تجلی الٰہی پہاڑ سے انعکاسی طور پر موسیٰ علیہ السلام پر پڑی۔

برادر امتیاز احمد سلمہٗ تعالیٰ نے اس موقع پر عرض کی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات میں ایسا بھی کوئی واقعہ ہے۔ جس میں امام غزالیؒ کی روح سے ملاقات کا ذکر ہو۔

اللہ تعالیٰ ان پر اپنا فضل و کرم نازل فرمائے۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ میں نے شاید الغزالی مؤلفہ شبلی نعمانی میں پڑھا ہے کہ جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم معراج کے لئے تشریف لے گئے تو وہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی کہ آپ نے فرمایا ہے۔

علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل

تو میری خواہش ہے کہ کسی ایسے ہی شخص سے ملاقات ہو۔ آپ نے امام غزالیؒ کی روح کو

حاضر ہونے کا حکم دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا۔ اے روح تمہارا کیا نام ہے؟ غزالیؒ کی روح نے عرض کیا۔ میرا نام محمد ہے۔ غزالی باپ کی نسبت سے ہے۔ میں فلاں وقت اور فلاں جگہ پیدا ہوں گا وغیرہ وغیرہ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ اے روح میں نے تو صرف تمہارا نام پوچھا ہے۔ تم نے نام کے علاوہ غیر ضروری باتیں شروع کر دی ہیں؟ آپ نے عرض کی۔ حضور جب آپ سے اللہ تعالیٰ نے پوچھا تھا تمہارے ہاتھ میں کیا ہے تو آپ نے عرض کیا تھا۔ میرے ہاتھ میں عصاء ہے۔ اس سے میں بکریوں کے پتے توڑتا ہوں۔ اور ٹیک لگاتا ہوں وغیرہ۔ تو آپ کی گفتگو میں بھی غیر ضروری حصہ شامل ہے۔ حضور نبیٔ روف الرحیم رحمت اللعالمین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ غزالی پاسِ ادب خاموش رہ۔ یہ اللہ کے نبی ہیں۔ اب یہ مجھے یاد نہیں رہا کہ یہ کہاوت ہے یا کہیں پڑھا ہے۔

آپ پر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں نازل ہوں۔ آپ نے مزید فرمایا کہ اک روز حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ توریت پڑھ رہے تھے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ آپؐ نے دیکھا تو فرمایا۔ عمرؓ کیا پڑھ رہے ہو۔ آپ کی عرض کی توریت۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ کیا تمہاری ابھی تسلی نہیں ہوئی۔ اگر میرے زمانے میں صاحب توریت بھی ہوتے تو میری ہی اتباع کرتے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے توریت بند کر دی۔

اللہ تعالیٰ آپ پر اپنے فضل و کرم کی بارش برسائے۔ آپ نے حضرت عمر فاروقؓ کی تعریف فرماتے ہوئے مزید کہا کہ ایک دن آپ ممبر پر خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ دوران خطبہ آپ نے فرمایا۔ "یا ساریۃُ الی الجبل" اے ساریہ پہاڑ کی جانب ہو جا۔ خطبے کے بعد آپ سے اس فقرے کے بارے میں معلوم کیا گیا، تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ تمہیں جلد معلوم ہو جائے گا۔ کچھ مدت کے بعد جب حضرت ساریہؓ جنگ فارس سے فارغ ہو کر واپس آئے۔ تو آپ سے اس بارے میں پوچھا گیا۔ حضرت ساریہؓ نے فرمایا کہ جنگ کے دوران جونہی میرے پاؤں اکھڑے۔ میں نے حضرت عمر فاروقؓ کی آواز سنی کہ ساریہ پہاڑ کی جانب ہو جا۔ چنانچہ میں اپنے عقب میں واقع پہاڑ کی جانب کھسک آیا اور بعد ازاں پھر فوج کو اکٹھا کر کے دھاوا بولا اور فتحیاب ہو گیا۔ سچ ہے کہ اگر حضرت عمرؓ ہماری مدد نہ فرماتے تو ہم ضرور شکست سے دوچار

ہو جاتے۔

آپ نے مزید فرمایا کہ جنگ بدر کے بعد حضور نبی الروف الرحیم علیہ الصلات والسلام نے قیدیوں کے بارے میں پوچھا کہ ان سے کیا سلوک کیا جائے۔ یہ قیدی حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت عمرؓ کے رشتہ دار تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے عرض کیا کہ ان تمام کو قتل کر دیا جائے تاکہ تمام عرب پر مسلمانوں کی دھاک بیٹھ جائے اور قتل بھی رشتے دار کو رشتے دار ہی کرے۔ حضور نبی کرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی رائے سن کر حضرت صدیق اکبرؓ کی رائے کو پسند فرماتے ہوئے ان پر فدیہ مقرر فرما دیا۔ اس موقع پر سورۂ انفال پارہ ۱۰ کی ۶۷ آیت نازل ہوئی۔

جس کا حاصل معنی یہ ہے کہ ان کفار کو قتل کر دینا ہی بہتر تھا مگر اے محبوب چونکہ آپ نے فدیہ لینا مقرر کیا۔ اس لئے یہی صحیح ہے۔ اس سے پہلے کسی نبی کو فدیہ یا جزیہ لینے کا حکم نہیں تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فدیہ لینا شروع فرمایا تو اب قیامت تک مسلمانوں کو اس کی اجازت ہے۔ اس سے پہلے مال غنیمت تک کو جلا دینے کا حکم تھا۔ اس موقعہ پر غلام نے عرض خدمت کیا کہ حضورؐ اس بارے میں ارشاد فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرما رہے ہیں کہ ان کو قتل کر دینا ہی بہتر تھا یعنی حضرت عمرؓ کی رائے کو پسند فرمایا گیا مگر ساتھ ہی اگلی آیت میں یہ کہا جا رہا ہے کہ چونکہ آپ نے فدیہ مقرر فرمایا ہے۔ اس لئے یہ حلال کیا جاتا ہے۔ یہاں اپنی پسند پر حضور نبی روف الرحیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رائے کو فوقیت دی جا رہی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی بے شمار رحمتیں آپ پر نازل ہوں۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ دیکھیں اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے کو حکم کا درجہ نہ دیا جاتا، تو کفار کہتے کہ نبی کی بات پر دوسروں کی رائے کو اللہ تعالیٰ نے فوقیت دی ہے مگر یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کو فوقیت دے کر آپ کی شان اقدس کو لوگوں پر واضح کیا گیا ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان کے متعلق آپ نے بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک لڑکی دف بجا کر آپ کی شان میں قصیدہ پڑھ رہی تھی کہ حضرت عمر فاروقؓ تشریف لے آئے۔ جونہی اس لڑکی نے گلی کا موڑ مڑتے ہوئے آپ کو دیکھا تو بھاگ گئی۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا۔

"عمرؓ تیرے سائے سے تو شیطان بھی بھاگتا ہے"۔

بیسویں مجلس

قدم بوسی کے لئے حاضر ہوا۔ برادرم امتیاز احمد سلمہٗ تعالے نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ حضور یہ جو نماز میں خیالات آتے ہیں۔ ان سے نجات کیسے حاصل کی جائے ؟ کیونکہ بعض اوقات میرے ساتھ ایسا ہوا ہے کہ میں کسی مسئلے میں الجھا ہوا ہوں تو دوران نماز اس کا حل میری سمجھ میں آجاتا ہے اور میں نے اکثر یہ نوٹ کیا ہے کہ اگر میں اسی طرح عمل کروں تو وہ اقدام میرے لئے بہتر ہوتا ہے اور اگر اس کے الٹ عمل کروں تو وہ عمل میرے لئے ضرر رساں ثابت ہوتا ہے۔

اللہ تعالے اپنی رحمت آپ پر سایہ فگن رکھے۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ بھئی دوران نماز اگر خیالات آئیں تو ان سے بیزاری کا اظہار کرنا چاہیئے مگر میرے قیاس میں یہ بات بھی آتی ہے کہ خیالات کا آنا ایمان کی نشانی بھی ہے۔ چور وہیں چوری کے لئے آتا ہے۔ جہاں مال و اسباب خوب ہو لیکن ایسے خیالات جن سے عبادت میں خلل واقع ہو۔ ان سے بچنا افضل ہے ورنہ دوران نماز جب آپ تلاوت کر رہے ہوں گے اور آپ اس کا ترجمہ بھی جانتے ہوں گے تو وہ تمام واقعات آپ کے سامنے آتے جائیں گے۔

ایک دفعہ قدوۃ السالکین حضرت سید جماعت علی شاہ صاحب محدث علی پوری قدس سرہٗ العزیز بادشاہی مسجد لاہور میں وعظ کے لئے تشریف لائے تو آپ سے یہی سوال پوچھا گیا کہ حضرت ہمیں نماز میں خیالات آتے ہیں۔ کیا ہماری نماز ہو جاتی ہے ؟ آپ کی قبر اللہ نور سے منور فرمائے۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ جب تم نماز کی نیت سے گھر سے چل کر مسجد کی دہلیز پر آجاتے ہو، تو تمہاری نماز ہو جاتی ہے۔

آپ نے مزید فرمایا۔ جہاں تک آپ کا اپنے مسائل کے حل کے بارے میں دوران نماز کسی عمل کرنے کے فیصلے کا القا ہونا ہے۔ آپ اس پر قناعت نہ کریں۔ جہاں تک خود کسی خیال کو لانے اور کسی مسئلے پر سوچنے کا تعلق ہے تو اس پر قدغن لگ سکتی ہے مگر جہاں

تک خود بخود خیالات آئیں ۔ انہیں آنے دیں ۔ اپنی نماز جاری رکھیں۔

اسی ضمن میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ بعض طبیعتیں اس طرح کی بھی ہوتی ہیں کہ ان کو جلد کشف شروع ہو جاتا ہے اور بعض کو مرتے دم تک کشف نہیں ہوتا ۔ اور وہ ہوتے بھی مخلص بندے ہیں ۔

قطب عالم حضرت میاں غلام محمد سہروردی حیات گڑھی قدس سرہٗ العزیز کو بے پناہ کشفِ قلوب تھا مگر آپ اس کے سخت خلاف تھے۔ آپ اپنے مریدین کو ابتدائی کشف سے منع فرماتے تھے ۔ آپ فرمایا کرتے تھے ۔ یہ مداری کا تماشا ہے۔ جو اس میں کھو گیا ، وہ منزلِ تجرید سے بھٹک گیا ۔

ڈاکٹر کلیم سہرامی
بنگلہ دیش

دیوان ہاشم کشمی کا ایک قدیم مخطوطہ

(مؤلف زبدۃ المقامات و برکات احمدیہ)

بنگلہ دیش میں تصوف (۱) سے متعلق اب تک جتنے قلمی نسخے دستیاب ہوئے ہیں۔ ان میں " دیوان ہاشم " واحد نسخہ ہے جو کہ ضخیم اور منظومات پر مشتمل ہے اور ہر طرح مکمل کہا جا سکتا ہے۔ اس کے دو اور نسخے انڈیا آفس لندن (۲)، ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کلکتہ (۳) کے کتب خانوں میں ملتے ہیں۔ نسخۂ بنگلہ دیش کے آغاز و اختتام پر بعض مہریں لگی ہوئی ہیں جن میں ایک مہر (۴) کی تاریخ ۱۰۸۳ھ/۱۶۷۲ء درج ہے۔ جس سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ یہ نسخہ لندن کے نسخہ (مکتوبہ ۱۰۸۷ھ/۱۶۷۶ء) سے چار سال قبل تحریر کیا گیا لیکن کلکتہ کے نسخے پر سنہ کتابت (۱۰۶۶ھ) درج ہے۔ اب تک کلکتہ کا نسخہ قدیم ترین ہے۔ اور اس کے بعد نسخۂ بنگلہ دیش آتا ہے۔ یہ بات قابل توجہ ہے کہ ہمارے نسخے پر کاتب کا نام اور تاریخ کتابت درج نہیں ہے۔ صرف مہر کی تاریخ سے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے۔

اس نسخے میں کل ۱۹۸ ورق یعنی ۳۹۶ صفحات ہیں۔ دیدہ زیب جلی نستعلیق خط میں لکھا گیا ہے۔ سرخ و سیاہ جدولیں بنی ہوئی ہیں۔ بعض جگہ کرم خوردہ لیکن مرمت شدہ ہے شاعر کے حالات کی تفصیل اس میں نہیں ملتی۔ البتہ اس کا نام یوں درج ہے۔

" خواجہ محمد ہاشم ابن محمد قاسم الکشمی البدخشانی برہان پوری "

اس سے یہ نتیجہ نکالنا بے جا نہ ہوگا کہ شاعر کا تعلق بدخشان سے تھا اور یہ خاندان وہاں سے ہجرت کر کے برہان پور (جنوبی ہند) میں سکونت پذیر ہو گیا تھا۔ اس امر کا داخلی ثبوت خود اس کے شعر سے ملتا ہے۔

زلفش آن صنم برگشت ہاشم ہر سر مویم
بہندوستان ندانم تا کجا بت خانہ خواہم شد

بہر کیف دیوان سے شاعر کے ایک بھائی محمد اسحاق کا بھی پتہ چلتا ہے۔ جس کی وفات

پر اس نے مرثیے لکھے ہیں ۔ موجودہ نسخے کے آغاز میں شاعر کی تاریخ وفات کا جو قطعہ درج ہے ۔ اس پر بیکار عاصی کے دستخط ہیں اور اس سے ۱۰۴۳ھ یعنی ۱۶۳۳ عیسوی نکلتے ہیں۔ قطعہ ملاحظہ فرمائیے :

آن قطب زمانہ خواجہ ہاشم   در کشور ملک خودی شُد
تاریخ وصال گفت ہاتف   گو : " نزد رسول ہاشمی شُد

لیکن (۵) اسپرنگر کے خیال میں خواجہ ہاشم ۱۰۵۶ھ/ مطابق ۱۶۴۴ء میں زندہ تھے۔

دیوان کی ورق گردانی سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ شاعر کو مختلف اصناف سخن پر عبور تھا ۔ آغاز دیوان میں اس نے خواجہ بہاؤالدین نقشبندی قدس سرہٗ کی منقبت میں قصیدے لکھے ہیں اور حضرت شیخ احمد فاروقیؒ کے روحانی شجرے کی تفصیل پیش کی ہے اس کے بعد ترجیع بند اور ایک ساقی نامہ مسمّٰی بہ "سبعہ سیارہ مرغان آتش خوار" ہے۔ اور سبعہ سیارہ کی تفصیل اختر اوّل سے اختر ہفتم تک درج ہے ۔ اس کے بعد غزلیات کا حصّہ شروع ہوتا ہے ۔ پھر رباعیات و فردیات اور تاریخی قطعات ہیں ۔ حصّہ غزلیات کا آغاز اس غزل سے ہوتا ہے ۔ جس کے چند اشعار ذیل میں درج کئے جاتے ہیں ۔

بسمل دلہا بود ، بسم اللہ عنوان ما   مایۂ دیوانگی ، موی سر دیوان ما
ہست ہر سطری زبا ، ابروی معشوق سخن   گوشۂ ابرو ، اشارتہای بی پایان ما
ہر کہ دید آن خندۂ پنہان نکہای دگر   یابد از راز تہفت و قصۂ پنہان ما

رشح کلک ماست ہاشمؔ سیل و دلہا پر کاہ
کافر از مومن نداند ، موجۂ طوفان ما

خواجہ ہاشم کے حالات

خواجہ ہاشم کی سلسلۂ نقشبندیہ میں بیعت تھی اور اپنے پیر طریقت حضرت شیخ احمد سرہندی قدس سرہٗ سے انتہائی عقیدت کی بنا پر ان کے مکتوبات جلد سوئم کی تدوین کی ہے اور ان کی حیات سے متعلق " زبدۃ المقامات و برکات احمدیہ " کے نام سے ایک دوسری کتاب بھی ترتیب دی ہے ۔ سلسلۂ بیعت کا اثر ان پر اس قدر گہرا اور پختہ ہے کہ سارا کلام تصوف میں ڈوبا ہوا ہے ۔ اپنے پیر طریقت کی تاریخ وفات اس طرح نظم کی ہے :

تا عیسی جانہا کشند از عالم پاک — دلہا شدہ، چون پیرہن یوسف چاک
چون رفت بسوی روضۂ پاک بہشت — تاریخ وصال او بگو (روضۂ پاک)
۱۰۳۴ھ

۲

بہار و باغ عرفاں، ابر رحمت — گزین گلشن، بہ تعجیل صبا رفت
مگر صبح قیامت، سر برآورد — کہ از مشکوٰۃ دیں، شمع ہدیٰ رفت
چو شاہ اولیای عہد خود، بود — خرد گفتا کہ (شاہ اولیا رفت)
۱۰۳۴ھ

دیوان ہاشم میں مجموعی طور پر غزلیات درباعیات کے حصے قابل توجہ ہیں۔ شاعر کی کہنہ مشقی، قدرت کلام، اور زبان دبیان پر اس کے عبور کا یہ عالم ہے کہ کوئی شعر کہیں سے پڑھیئے۔ ہر جگہ کلام میں یکسانی، رنگ میں پختگی اور زبان دبیان میں شگفتگی پائی جاتی ہے شاعر نے بعض اشعار میں متداول عربی الفاظ بھی استعمال کئے ہیں لیکن انہیں اس خوبصورتی اور چابکدستی سے نبھایا ہے کہ کلام بوجھل نہیں ہو پاتا اور اس کی روانی میں فرق نہیں آتا۔ بطور مثال چند الفاظ درج کئے جاتے ہیں۔

تعجیل، رشح، مستور، سبعہ، اربعین، درۃ التاج، سواد اعظم وغیرہ۔

اوپر یہ ذکر آچکا ہے کہ شاعر نقشبندی طریقہ تصوّف سے منسلک ہی نہیں بلکہ غائیت درجہ شغف بھی رکھتے تھے اور عبادت و ریاضت میں چالیس سال گزارنے کے باوجود بھی مطمئن نہ تھے۔ وہ خود کہتے ہیں۔

چل سال رفت در رہ بحقیقت نیافتیم
زین اربعین نتیجۂ طاعت نیافتیم
بس از سنان آہ، شکستیم، قلب خویش
خوشتر ز درد، ہیچ نعمت نیافتیم

ہاشم کے کلام کے مطالعے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ وہ عارفانہ وصوفیانہ خصوصیات کا حامل ہے۔ اس میں معرفت دحقیقت اور طریقت و شریعت کے مسائل بھی ہیں۔ جذب و کیف اور درد و عشق کی وارداتیں بھی ہیں، کفر جنون، آتش ایمن، سینہ صد پارہ، دل دیوانہ سرگزشت عشق، دیدۂ بے خواب، شکست دل، صہبائے فنا، داؤدہ عشق، خوشتر ز درد،

آب تیغ، آب زندگانی اور عمر جاودانی جیسی ترکیبیں بھی نظر سے گزرتی ہیں۔ جن سے واضح طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے پرواز خیال کا مرکز ایک ہی ذات اور اس کے فکر و نظر کا محور معرفت و حقیقت ہی سے عبارت ہے۔ اس پر ایسی باطنی حقیقت طاری رہتی ہے کہ کہ شاعر خود کہہ اٹھتا ہے۔ ؎

جہاں در خواب خرگوش است ہاشم پاک دامن است
ز مستی بر زبان آوردہ افسانۂ خود را !!!!

ایک غزل کے مقطع میں شاعر نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ اس کا دیوان سراپا "دفتر اسرار محبت" ہے۔ میرے خیال میں دیوان ہاشم کا قاری اسے تسلیم کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ شاعر کہتا ہے:

دیوان تو ای ہاشم دیوانہ چہ باشد
سرتا بقدم، دفتر اسرار محبت

اب "دیوان ہاشم" سے چند منتخب غزلیں پیش کی جاتی ہیں:

چناں دیوانہ می خواہم، دل فرزانۂ خود را
کہ اندر خانۂ خود، می تپایم خانۂ خود را؛

نہ ہر موزبان روئید و راز دل نشد روشن
مگر از شمع پرسم، قصۂ پروانۂ خود را

بہر در چوں گدایان، از مراد، دل سخن گفتم
دریغا ز آشنا نشاختم بیگانۂ خود را

بجز داغی تو، گنجی نیست در گنجینۂ سینہ
لبی ز آماج، ناخن کافتم ویرانۂ خود را

تو بدعہدی و من بدمست، در عشق دل شاعر
تو ہر دم بشکنی پیمان و من پیمانۂ خود را

جہاں در خواب خرگوش است ہاشم پاکدامن ست
ز مستی بر زبان آوردۂ، افسانہ خود را

مجروح شود گر ذلت از خار محبت گردد ین هر موی تو گلزار محبت
تا سیم نریزی و سرشکی نه ستانی هرگز نبری سود ز بازار محبت
از نقطهٔ خالی که پران صفحهٔ سیمین است سرگشته دلی آمده پرکار محبت
دانم که محبت بر کسی هست خریدار اما بجهان کیست خریدار محبت
کشتم همه از سوز جگر داغ که روید چون باغ براهیم گل از نار محبت
در کفر جنون آتش ایمن شده مستور سر رشتهٔ شمع آمده زنار محبت
دیوان تو ای هاشم دیوانه چه باشد
سر تا بقدم دفتر اسرار محبت

سینهٔ صدپاره دارم گرچه دلقم پاره نیست
جملگی چشمم و لیکن رخصت نظاره نیست
عشق فتح اندر، شکست کار پنهان کرده است
چارهٔ این غم نداند، هر که او بیچاره نیست
یک دل و یک دوست باشد، صد کتاب این یک سخن
گفتمت صد بار بشنو، زندگی صدپاره نیست
دیده ها بکشوده گردون، از پی شمع رخت
این که می بینی تو هر شب، این مه و استاره نیست
* هفت بیت آمد، غزلهای تو هاشم بیشتر
مرترا این سبعه، کم از سبعهٔ سیاره نیست

خیال کج می بندم، مگر دیوانه خواهم شد
پری در خواب می بینم، مگر دیوانه خواهم شد
در آغاز حدیث من خرد را خواب می آید
همانا از شب موی کسی، افسانه خواهم شد

کنون حرفی که می گویم زبان برخویش می پیچد
بدان ماند کزین پس از سخن بیگانه خواهم شد

ما زبس عقل، این دل دیوانه پیدا کرده ایم
سوء صحرا از متاع خانه پیدا کرده ایم
سرگذشت سرگذشتن عشق میگوید بگوش
دیدهٔ بے خواب ازین افسانه پیدا کرده ایم
چاکها افگنده ایم از آهِ دل، بر لخت دل
گیسوی آشفتگی را شانه پیدا کرده ایم
در قفس ای مرغِ دل، فارغ نشیں خوشتر زباغ
کت ز اشک ناب آب و دانه پیدا کرده ایم
دید طاعت را بسی پیمان چو دل بشکسته ایم
تا قصهای فنا پیمانه پیدا کرده ایم
از شکست دل رسد هاشم سخنهای درست
این گرامی گنج، از ویرانه پیدا کرده ایم

چل سال رفت واه بحقیقت نیافتیم
زین اربعین نتیجهٔ طاعت نیافتیم
در عمر نوح شیوهٔ طفلی زما نرفت
لقمان شدیم و نبض طبیعت نیافتیم
دیدم بلند دیسی ترن را بگریه گفت
اینجا فراغ گوشهٔ عزلت نیافتیم
داؤد عشق، دست بمغراب زد گفت
بر زین کلید قفل شریعت نیافتیم

بس از سنان آہ شکیتم قلب خویش
خوشتر ز درد، ہیچ غنیمت نیافتیم

آبِ تیغ، آبِ زندگانیٔ من   مرگِ من، عمرِ جاودانیٔ من
آہِ دل، برگِ تن، بخاک افگند   چند از سرسرِ خزانیٔ من
سرِ باریک آن میان نیافت   خاک بر فرقِ نکتہ دانی من
اولین حرف عشق انیست کہ نیست   در ہمہ کائنات ثانیٔ من
ہاشما کی بدل فتد، سرِ کار
طی شود دفترِ زبانیٔ من

شاعر نے اپنے آپ کو ایک جگہ فارسی شعر و ادب کے عارف و صوفی حضرت فریدالدین عطار اور دوسری جگہ عربی زبان کے شاعر لبید سے مماثلت و مشابہت دی ہے ۔ اس کا فیصلہ قاری پر چھوڑتا ہوں کہ یہ محض تعلی ہے یا حقیقت ۔ خواجہ ہاشم کی زبان میں یہ ادعا پیش کیا جاتا ہے ۔ ؎

درسخن ہاشم، فریدالدین عطاری، ولی
از در د بامست شمیم طبلۂ عطار کو

بعد از ہزار ہاشم، اندر عجم لبید است
پیش از ہزار اگر بود، اندر عرب لبیدی

ایک اور مقطع میں شاعر نے اپنی غزل کے متعلق یہ اظہار خیال کیا ہے ۔ ؎

ز نہ سپہر د زدہ عقل، برتر آمدہ عشق
ز ہاشم ایں غزلِ پُرہنر، بہ تحفہ بری

رباعی ایک مشکل فن ہے ۔ جس میں شعراء کو خاطر خواہ کامیابی نہیں ہوتی اور نہ ہر شاعر فنی طور پر اس سے دامن بچا کر کامیابی سے ہمکنار ہو سکتا ہے لیکن خواجہ ہاشم کی رباعیوں کا اگر جائزہ لیا جائے تو بلا تامل کہا جا سکتا ہے کہ شاعر نے رباعی کے تمام فنی لوازم کو بطور

احسن برتا ہے اور جہاں تک مواد و ہیئت، زبان و اسلوب کا تعلق ہے۔ کہیں بھی عجز بیان کا اظہار نہیں ہوتا ہے۔ اس سے اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ شاعر کو اس صنف سخن پر پوری گرفت اور فنی مہارت حاصل ہے۔ غزلوں کی طرح شاعر نے رباعیات میں بھی کچھ خاص ترکیبیں استعمال کی ہیں۔ جن سے اس کے مخصوص مزاج اور مذاق و ماحول کا پتا چلتا ہے۔ مثلاً مرہم جان، دل سوختہ، کشت کار، خم بادہ، نقش تن، دود آہ اور سایۂ بید وغیرہ۔

رباعیات میں بھی غزلوں کی طرح بڑی یکسانی و روانی اور ہم آہنگی و ہمواری پائی جاتی ہے۔ عارفانہ سپردگی اور دل گداختہ کی دھیمی آنچ کا احساس ہوتا ہے۔ جذب و کیف کا عالم، تصوّف کی چاشنی اور شراب معرفت کی سرمستی و سرشاری رباعیات کے مرکزی موضوعات ہیں۔ چند رباعیوں کا انتخاب پیش کیا جاتا ہے۔ لیجئے کام و دہن اور ذوق سخن کی آزمائش ہے۔ ے

پیری بسر افگندہ کنون سایہ مرا — جز موی سپیدہ نیست پیرایہ مرا
شد صرف ہوس عمر گران مایہ مرا — ای دہر بخوان کودک صد سالہ مرا

ای دوست رُخی ہجر کیشان بنما — وز لب نمکی بسینہ ریشان بنما
سررشتۂ جمعیت دل می طلبم — یک تار ازان زلف پریشان بنما

ای مرہم جان، این ہمہ آزاد چرا — دی گل ز تو بر پائی جگر خار چرا
ای آبحیات کشتن خلق از چہ — دی مرز تو زور ما شب تار چرا

خون گشت ز مخموری من جان شراب — بگداخت ز گرمئ شبم مستئ خواب
زان سانکہ چراغہا زر وغن سوزد — ز آب مژہ ام سوخت دل شعلہ تاب

رمزی بشنو ز نو بہاران شباب — عہدیست کز و برق برد رسم شباب
سرگشتہ منم درد بہر سو چو صبا — پا جامۂ آسمان و با چشم سحاب

شمع شب غم، اغیار کاشانۂ تست — در کعبہ روم، قبلۂ من خانۂ تست
وز بس کہ دل سوختہ دیوانہ تست — پروانۂ آن شوم کہ پروانۂ تست

ای، ہر در جہان قافلہ سودائیت — سر رشتہ کار، موی عنبر سایت
معراج تو آنکہ پا نہی بر سر عرش — معراج من آنکہ سر نہم بر پایت

ای آنکہ خیالت پی تاراج من است — خاک قدم تو ذرۃ التاج من است
معراج تو صد راز بایزد گفتن — حرف شب معراج تو معراج من است

جانان سمت قبلہ بجز سوی تو نیست — محراب جہانیان جز ابروی تو نیست
دیدیم سواد اعظم ملتہا — سوگند بموی تو کہ جز موی تو نیست

بسیار مگو کہ یک سخن بسیار است — دین خرقہ بہل کہ دلق تن بسیار است
زنہار بصد قافلہ این رہ می پوی — کین بادیہ سخت دراہزن بسیار است

چون دل نکشود، روزگار تو عبث — نشگفت چو این غنچۂ بہار تو عبث
گردانۂ اشکی نبرین نفشانی — ای خواجہ تمام کشت کار تو عبث

خواجہ ہاشم کے یہاں بعض جگہ عمر خیام کے رنگ کی جھلک دکھائی دیتی ہے لیکن اس کے باوجود ان کا اپنا مخصوص رنگ کلام قائم و دائم رہتا ہے۔ اس رنگ کی چند رباعیاں درج کی جاتی ہیں۔ ؎

چون جان من از قید تن آزادہ شود
وز نقش تنم، لوح جہان سادہ شود
گر یک رگ دل بخاک بگشادہ شود!
ہر ذرۂ خاک من، خم بادہ شود

دل دوتہ دردِ آہ ، جاوید غنود چون خستہ کہ زیر سایۂ بید غنود
افسانۂ عمر رفت و صبحی ندمید ماناکہ ازین فسانۂ خورشید غنود

زخم دل ماچون بہا خندہ زند جام مئی ما ، نو بہا خندہ زند
لعلت بہ شباب ، عمرہا خندہ زند چون غنچہ کہ از باد صبا خندہ زند

دیوان ہاشم کی آخری رباعی یہ ہے :

ہان وامق و فرہاد ستودن تاکی سرخوش بحدیث غیر بودن تاکی
بردار مرا ازخواب کہ شب آخر شد افسانہ شنودن و غنودن تاکی

حواشی

۱۔ تصوّف کے علاوہ مختلف اصناف سخن پر مشتمل دیگر منظوم قلمی نسخے بھی بنگلہ دیش میں اچھی خاصی تعداد میں ہیں ۔ البتہ تصوّف سے متعلق جو نسخے ہیں ۔ ان میں نہ تو مختلف اصناف سخن ہیں اور نہ ان کی ضخامت کافی ہے ۔

۲۔ فہرست مخطوطات انڈیا آفس لائبریری نمبر (۲۸۹۸)

۳۔ فہرست مخطوطات ایوانوف نمبر (۷۴۷)

۴۔ دوسری مُہر شاعر کی ۲۹ ویں سال وفات سے متعلق ہے ۔ یعنی " دیوان ہاشم " کا یہ نسخہ شاعر کی وفات کے تیس سال کے اندر لکھا گیا ہے ۔

۵۔ فہرست مخطوطات اودھ صہ ۴۳۰ ۔

تلخیص و ترتیب : سید حسین عارف نقوی

پاکستانی کُتب خانوں میں اُردو مخطوطات و مسوّدات

مرکزِ تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد نے پاکستانی مخطوطات کی فہرست سازی کا کام شروع کر رکھا ہے۔ مرکز کے لئے کام کرنے والے فہرست نگاروں نے اُردو مخطوطات کے بارے میں جو کوائف مرکز کو مہیا کئے ہیں۔ وہ مفصل صورت میں وہاں موجود ہیں۔ میں نے ان کوائف کا ایک مخلص تیار کیا ہے جو پیشِ خدمت ہے۔

پنجاب کے کتب خانوں کے مخطوطات کی مفصل فہرست ڈاکٹر اللہ دتہ چوہدری صاحب نے تیار کی ہے اور سرحد کے کتب خانوں کے مخطوطات کی فہرست مولانا محمد اسرائیل کان اللہ مرحوم نے بنائی ہے۔

کتب خانۂ حافظ عبدالحی چشتی اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور

۱۔ آج کے ہم اور صوفیاء (ادب) از حافظ عبدالحی چشتی۔
نستعلیق، مؤلف، ۱۹۶۸ء، ۱۲، ص۔

۲۔ استفتاء (فقہ) ناشناس
آغاز : بسم .... سوال کیا فرماتے ہیں علمائے دین......
نستعلیق، ۲۴، ص

۳۔ اثبات در علم غیب (دین اسلام) از غلام محمد۔
آغاز : بسم ..... حمد و ثنا لا تعد و لا تحصٰی واسطے اس......
نستعلیق، ۲۴، ص۔

۴۔ انتقاد بر مقالہ مولوی محمد طاسین (فقہ) از مولانا محمد عبدالحی چشتی۔
آغاز: بسم ..... الحمدللہ ..... اے ایمان والو اللہ کا .....
نستعلیق، ۱۹۷۴ء، ۱۹ ص

۵۔ انتقاد بر قانون عائلی، از محمد عبدالحی چشتی۔
آغاز: جون ۱۹۶۱ء کے لیل و نہار رسالے میں
نستعلیق، مؤلف ۱۹۶۱ء، ۱۴ ص

۶۔ بیاض (ادب)، ناشناس
آغاز: خلاصہ سیرالمتاخرین
نستعلیق، ۱۱۸ ص۔

۷۔ جستجو در علم غیب پیغمبرؐ، ناشناس
آغاز: بسم .... الحمدللہ رب ..... بجدی لوگ سوال کرتے ہیں ....
نستعلیق، ۱۰۰ ص۔

۸۔ ترجمہ مائۃ الفوائد (اسلام)، ناشناس
آغاز: بسم ...... ہر طرح کی تعریف اللہ واسطے ......

۹۔ حضرت شیخ الجامعہ کا مختصر تذکرۂ زندگی (سوانح)
از حافظ محمد عبدالحی چشتی۔
آغاز: آپ کا نام غلام محمد کنیت ابوالفضل ....
نستعلیق، مؤلف ۱۹۷۴ء، ۱۲ ص

۱۰۔ رسائل و مسائل (فقہ) از جمال الدین گھوٹوی
آغاز: بسم .... حمد اور ثنا لاتعد لاتحصیٰ خاص واسطے .....
مؤلف ۱۳۲۳ھ، ۶۲ ص

۱۱۔ سماع در فقہ (فقہ) از حافظ محمد عبدالحی چشتی۔
آغاز: بسم .... الحمدللہ و کفیٰ و سلام علیٰ عبادہ
نستعلیق، مؤلف، ۱۹۵۱ء، ۳۲ ص۔

۱۲۔ فوائد السماع (تصوف) از حافظ عبدالستار۔

آغاز : بسم ..... الحمد للسمیع
نستعلیق ، ۱۶ ص

۱۳۔ القول الاخیر فی مسئلۃ السماع بالمزامیر المؤید بالفقہ والسنۃ والتفاسیر (فقہ)
از مولانا عبد الحی بہاولپوری
آغاز : بسم ..... الحمد للہ الذی یترنم لشکر آلائہ .....
نستعلیق ، ۱۳۷۰ھ ، ۲۷۴ ص

۱۴۔ مباحث دستوری (زبان شناسی) ناشناس
آغاز : مصنف فرماتے ہیں کہ چار جگہ ایسی ہیں کہ ....
نستعلیق ، ۶۰ ص ۔

۱۵۔ مختصری در علم عدد (زبان شناسی) از ناشناس ۔
آغاز : بسم ..... فضائل و کمالات ..... اگر فقیر .....
نستعلیق ، ۳۰ ص

۱۶۔ مختصری در غروب و افطار (فقہ)
از محمد عبد الحی چشتی
آغاز : بسم ..... کیا فرماتے ہیں علمائے دین و .....
نستعلیق ، ۴۸ ص

۱۷۔ مختصری در منطق (منطق) ناشناس
آغاز : بسم ..... قول الظاہر ..... .
نستعلیق ، ۹۰ ص

۱۸۔ مزارعت (فقہ) از مولانا محمد عبد الحی چشتی
آغاز : بسم ... الحمد للہ ..... اس مسئلے پر خامہ فرسائی .....
نستعلیق ، مؤلف ۱۳۹۴ھ/۱۹۷۴ء ، ص ۱۷۴ ۔

۱۹۔ مسودہ ارشادات مولانا غلام محمد گھوٹوی ۔ از حافظ محمد عبد الحی چشتی
آغاز : بسمہ ..... آپ کا نام مبارک خاندان میں مہر شاہ .....
نستعلیق ، ۱۳۰ ص ۔

۲۰۔ مضاربت و مزارعت (فقہ) از حافظ محمد عبدالحی چشتی

آغاز: مانعین نے قرآن و حدیث سے جس طرح .....

نسخ و نستعلیق، ۱۳۹۴ھ / ۱۲ ص۔

۲۱۔ مقالات چشتی، حافظ محمد عبدالحی چشتی۔

آغاز: مساوی نیابت اور ابوالکلام آزاد کے مریدین .....

نستعلیق، مؤلف، ۴۴ ص

۲۲۔ نامہ حافظ عبدالحی بہ مولانا مشتاق احمد (ادب)

از مولانا عبدالحی چشتی۔

آغاز: بسم .... الحمد لمحمد لمحمود کل حال والصلواۃ ......

نستعلیق، مؤلف، ۱۹۵۱ء، ۱۰ ص

۲۳۔ نکاح غیر فاطمی باسیدہ فاطمیہ (فقہ) از مولانا عبدالحی چشتی،

آغاز: بسم .... کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس .....

(ا) نستعلیق، ۵۰ ص

(ب) نستعلیق، مؤلف، ۴۸ ص۔

بیت الحکمۃ، قصر العابد میرزا ہد حسین شاہ صادق آباد ضلع رحیم یار خاں

۱۔ آئینہ عباس سلطانی (تاریخ)

ترجمہ: حکیم محمد نظام الدین نظامی۔

آغاز: بسم .. ثناء و حمد ہے اس کو جو ہے لاریب سبحانی ...

نستعلیق، مترجم، ۱۳۹۴ھ / ۱۹۷۴ء، ۲۰۰ ص

۲۔ دیوان نیاز (ادب) از میاں نیاز احمد۔

آغاز: بسم .... گر کون و مکاں مظہر نیرنگ ہوتا۔

(ا) نستعلیق / عبدالواحد خاں، ۳۲ ص

(ب) نستعلیق، ۴۴ ص:

۳۔ ذکر شہادتین (تاریخ) ناشناس

آغاز : میاں حضرت موسیٰ ..... راویان یلیع یہاں......
نستعلیق ، ۲۸۴ ص

۴۔ فنِ حرب (ادب) ناشناس۔
آغاز : بسم .... شہروں میں عام بلوہ یا ....
نستعلیق ، ۱۳۴۰ھ ، ۸۰ ص۔

۵۔ مجادلہ عظیم (دین۔ منظوم) ناشناس
آغاز : کہا یک زن نے اسے ہو کے بہمیات۔
نستعلیق ، ۵۸ ص۔

۶۔ مخزن ادب (طب اردو فارسی) از نارائن داس قمر۔
آغاز : خارش کا مجرب نسخہ ، جس شخص کو خارش ....
مؤلف ، ۱۹۲۸ء ، ۵۷۰ ص۔

۷۔ بحثی در داپزشکی (داپزشکی)
ترجمہ : شوق علی۔
آغاز : اور ...... ہوا اور اس کے سبب سے ......
نستعلیق ، مترجم ، ۳۰۰ ص۔

۸۔ بوستے گل (ادب) از میر سید محمد زاہد حسین صادق آبادی۔
آغاز : اختر شیرانی نے مئی ۱۹۰۵ء مطابق
نستعلیق ، مؤلف ، ۲۹۰ ص۔

۹۔ بیاض دوم سائل (ادب۔ نظم)
از نواب سراج الدین احمد خان سائل۔
آغاز : بسم .... میری ناتوانی للہ دیکھو فغاں۔
نستعلیق ، مؤلف ، ۱۹۰۹ء تا ۱۹۱۳ء ، ۱۹۸ ص۔

۱۰۔ دستہ گل (ادب۔ نظم۔ اردو ، فارسی)
از میر سید محمد زاہد حسین صادق آبادی۔
آغاز : آؤ میرے گھر اے صنم آؤ۔

نستعلیق، مؤلف، ۵۲ ص

۱۱۔ دفتر رسید تحائف شاھی (تاریخ) ناشناس۔

آغاز: نمبر اوّل، ریاست جموں وکشمیر ماہ......

نستعلیق، ۳۳۶ ص۔

۱۲۔ دود دل (ادب، نظم، اردو، فارسی)

از میر سید محمد زاہد حسین بن میر عابد حسین۔

آغاز: کہتے تھے ہم نہ دیکھ سکیں تجھ کو غیر پاس۔

نستعلیق، مؤلف، ۶۲ص

۱۳۔ رسالہ نماز (فقہ) ناشناس

آغاز: رسالہ نماز از حضرت علامہ مولانا......

نستعلیق، ۱۶ص۔

۱۴۔ رسوائیاں میری (ادب، اردو فارسی)

از میر سید محمد زاہد حسین۔

آغاز: میں عندلیب گلستان وفا آفریدہ۔

نستعلیق، ۲۷۲ ص۔

۱۵۔ صبح صادق (تاریخ) از مولوی محمد عزیز الرحمان

آغاز: جب کوئی مصنّف اپنے کسی ہیرو......

نستعلیق، محمد ہاشم، ۱۹۰۰ء، ۲۳۴ ص۔

۱۶۔ فرہنگ شعری (ادب۔ نظم۔ اُردو فارسی)

از میر سید زاہد حسین

آغاز: آستین..... شام کو دھوتا ہوں سو......

۱۷۔ فہرست ابواب کتب صحاح ستّہ (مراجع) ناشناس

آغاز: باب اس بیان میں کس طرح ابتدا دحی......

نستعلیق، خیر محمد، محمد اکبر، محمد شرف الدین، ۱۹۱۰ء، ۵۸۲ ص۔

درگاہ عالیہ گیلانی ۔ گیلانی لائبریری اوچ شریف

۱۔ اسرار قادری ، از شمس الدین بن محمد حامد گنج بخش

آغاز : ولا ...... ہزار شکر رب کا جو آمیزش ....

(و) نستعلیق ، ۳۲ص

(ب) نستعلیق ، ۳۲ ص ۔

۲۔ اسمائے حسنیٰ ، از ناشناس

آغاز : ھوالذی .... اے خدائے بزرگ ....

حسام الدین بن قاضی غلام رسول ، ۱۳۰۱ھ ، ۵۴ ص ۔

۳۔ بستان افروز (نباتات)

از سید عبداللہ فتاح (عبداللہ غمگین)

آغاز : رب ...... دوستان کو معلوم ہو کہ

نستعلیق ، ۴۰ ص

۴۔ تحفۃ العالمین (تحفہ طلسمات) (اسلام)

از خداداد بن محمد حسین طباطبائیؒ ۔

آغاز : بسم .... سپس سپاس بیقیاس حضرت .....

(و) نستعلیق ، ۱۵۴ص

(ب) نستعلیق ، ۱۶۴ ص

۵۔ ترجمۃ الصلوٰۃ (فقہ) شیخ حامد محمد شمس الدین ۔

آغاز : یا فتاح ...... ایزد پاک کے ......

(و) نستعلیق ، ۲۸ ص ۔

(ب) نستعلیق ، ۳۲ ص ۔

۶۔ ترجمہ قصۂ ابلیس ۔ از محمد شمس الدین ۔

آغاز : رب ..... حمدی کہ سر لوحۂ دیباچہ .....

۱۳۰۲ھ ، ۱۶ ص ۔

۷۔ جنگ اشعار (ادب) ناشناس
آغاز : اپنی قسمت کو نہ رو......
نستعلیق ، ۳۱۰ ص۔

۸۔ حکائیت ، ازناشناس۔
آغاز : ولا...... حمد صلواۃ کے روشن رائے....
نستعلیق ، ۲۰ ص۔

۹۔ دعاء المستغاث (ادعیہ) ناشناس۔
آغاز : بسم.... الحمد للہ الذی زین البنین.....
نسخ ، ۵۴ ص۔

۱۰۔ دہ مخزن (تاریخ) از نصراللہ بن حکیم ثناء اللہ خاں۔
آغاز : رب..... شکر و سپاس خدائے بے نیاز......
نستعلیق ، غلام قادر بن شیخ سونہ ، ۱۲۲۸ھ ، ۴۲۶ ص۔

۱۱۔ دیوان سید (اردو، فارسی) محمد شمس الدین سید۔
آغاز : بسم..... الٰہی شد بعصیاں روزگارم....
نستعلیق ، ۵۰ ص۔

۱۲۔ راہ نجات (ادب) از حامد محمد شمس الدین۔
آغاز : یا فتاح...... سپاس وافر اور حمد متکاثر......
نستعلیق ، کریم بخش ، ۳۲ ص۔

۱۳۔ رسالہ موحدین (ادب) از شیخ حامد محمد شمس الدین۔
آغاز : بسمہ.... حمد ہے خدا کے ذات کا کہ جس......
نستعلیق ، کریم بخش بن خیر محمد ، ۱۲ ص۔

۱۴۔ زبدۃ السلوک (ادب، منظوم) از شیخ حامد محمد شمس الدین۔
آغاز : بسمہ..... شکر اور حمد اس ذات....
نستعلیق ، ۱۰۱ ص۔

۱۵۔ سراج العابدین (ادب) از شیخ حامد محمد شمس الدین۔

آغاز : یا ..... حمد بیحد او ثنائی بیعد خاصہ ....
نستعلیق ، ۱۲ ص

۱۶۔ اسرار العشاق ، از شیخ محمد شمس الدین گیلانی ،
آغاز : رب .... بعد حمد ایزد لا یزال و نعت ....
نستعلیق ، ۱۳۰۲ھ ، ۲۰ ص۔

۱۷۔ شجرۃ الاطہر لعلی (تاریخ) از سید شمس الدین ۔
آغاز : رب ..... حمد بیحد ..... اوس بے نیاز ......
(و) نستعلیق ، صادق محمد بن عارف ، ۲۳۰ ص ۔
(ب) نستعلیق ، ۲۸۶ ص ۔

۱۸۔ قصۂ ابلیس (ادب) از محمد شمس الدین ۔
آغاز : رب ...... حمدی کہ سر لوح دیباچہ تحریر کی ....
نستعلیق ، ۱۳۰۲ھ ، ۱۶ ص۔

۱۹۔ قصۂ شہزادہ افسردۂ روزگار (ادب) ناشناس
آغاز : بسم ..... حمد اور ثنا اس صانع کو ....
(و) نستعلیق ، ۲۴ ص
(ب) نستعلیق ، کریم بخش ، ۱۳۰۲ھ ، ۳۲ ص۔
(ج) نستعلیق ، ۳۲ ص۔

۲۰۔ قصۂ شہزادہ سعید (ادب) ناشناس
آغاز : دلا ...... حمد اس صانع کو سزاوار ......
نستعلیق ، ۴۲ ص ۔

۲۱۔ کلیات نظم سرسید (ادب) از محمد شمس الدین ۔
آغاز : یا فتاح ..... کیوں نہ ہر لحظہ زباں پر .....
نستعلیق ، ۱۰۰ ص۔

۲۲۔ کلید المصلیٰ (اسلام) از محمد شمس الدین
آغاز : دلا ...... ایزد پاک کی ستـ

۲۹۔ نصائح فوائد عوام (ادب) از محمد شمس الدین
نستعلیق ، ۱۰ ص ۔

۳۰۔ نشاط المشتاقین ترجمہ نزہتہ العاشقین (ادب)
ترجمہ از حامد محمد شمس الدین گیلانی ۔
آغاز : بسمہ .... شکر اور سپاس اس آفریدگار......
نستعلیق ، ۲۰ ص ۔

سنٹرل لائبریری بہاولپور

۱۔ تقویۃ الایمان (عقائد) از مولانا محمد اسماعیل
آغاز : رب ...... الٰہی ہزار ہزار شکر تیری .....
نسخ و نستعلیق ، غلام حسین ، ۱۲۴۴ھ ، ۸۰ ص ۔

۲۔ جنگنامہ دو جوڑہ (ادب ، منظوم)
از خلیفہ معظم عباسی ۔ ۔
آغاز : بسم ... پس از حمد ..... ان قادر ذوالجلال .....
عبدالحکیم خاں ، ۱۹۲۴ء ، ۹۶ ص ۔

۳۔ دستور العمل حلقہ داراں ، ناشناس ۔
آغاز : دستور ...... بلحاظ حالات سازشی .....
نستعلیق ، فتح چند ، ۱۸۹۲ء ، ۸ ص ۔

۴۔ فالنامہ حل (ستارہ شناسی)
آغاز : چاہیئے کہ ایک سنگ یعنی رکابی گلابی .....
نستعلیق ، ۴ ص ۔

۵۔ بیاض (ادب ، نظم و نثر)
از ناشناس
آغاز : جب لوگوں کو رخصت کرے تو کہے ...
نستعلیق و نسخ ، قرن ۱۳ھ ، ۱۸۲ ص ۔

نستعلیق ، کریم بخش ، ۳۰ ص

۲۳۔ مثنوی سحر البیان (ادب) میر حسن دہلوی

آغاز : الحق کہ ایسا معبود ہے ....

نستعلیق ، ۱۲۸۵ھ ، ۱۸۲ ص۔

۲۴ تحفۃ الادوار (موسیقی) عنایت اللہ حاج۔

آغاز : بسمہ .... حمد بیروں از زائرہ ......

نستعلیق ، ۳۸ ص۔

۲۵۔ آداب الحرمین (اسلام) ناشناس

آغاز : بسمہ ..... واللہ علی الناس ... حاجیاں بیت الحرام ...

نستعلیق ، ۱۲۶۶ھ ،

۲۶ نہال الانوار (تاریخ اسلام)

از شیخ حامد محمد شمس الدین۔

آغاز : الحمد للہ رب العالمین والصلواۃ .....

(و) نستعلیق ، ۱۳۰۱ھ ، ۱۰۴ ص

(ب) نستعلیق ، صادق محمد بن عارف محمد لوزی ، ۱۳۲ ص

۲۷۔ مراۃ الجمال و منظہر الصفات (ادب)

حامد محمد شمس الدین۔

آغاز : رب ..... حمد اور تعریف خاص واسطے اس .....

(و) نستعلیق ، پیر بخش مہر ، ۱۳۰۲ھ ، ۱۸ ص۔

(ب) ۱۳۰۱ھ ، ۶۴ ص۔

(ج) نستعلیق ، نبی بخش ، ۱۳۰۲ھ ، ۱۶ ص۔

۲۸۔ معاد گیلانیہ (ادب)

از محمد شمس الدین بن حامد گنج بخش۔

آغاز : العبد کہتا ہے ..... اوقات اپنے کو وظائف شریف ....

نستعلیق ، ۲۱۴ ص۔

۶۔ ترجمہ مجمع البحرین (تصوف) از ناشناس۔
آغاز: ترجمہ رسالہ بنام آنکہ نامی ندارد......
نستعلیق، ۵۲ص۔

۷۔ ترجمہ مناقب الحبیب (تاریخ)
از مولوی محمد رمضان جھونجھنوی۔
آغاز: بسم..... الحمد للہ وحدہٗ والصلوٰۃ علیٰ.....
نستعلیق، مترجم، ۲۵۰ص۔

۸۔ رسالہ بشارۃ المومنین نذارۃ الملحدین (سوانح۔ امام مہدی)
از حکیم محمد حسن امروہی۔
آغاز: بسم..... حامدا..... ارباب بصارت پر پوشیدہ.....
نستعلیق، ۷۲ص۔

۹۔ فخر التواریخ (تاریخ) از محمد رمضان فاروقی جھونجھنوی
آغاز: بسم..... خدائی برتر کا شکر اور اس......
نستعلیق، قرن ۱۴ھ، ۱۸۲ص۔

۱۰۔ رسالہ سوال وجواب طبیہ (طب)
از سید محمد بن سید نور شاہ حکیم۔
آغاز: سبحانک ما اعظم شانک.......
نستعلیق، محمد سلیمان منصور پوری، ۱۲۹۷ھ، ۲۶ص

۱۱۔ حجتہ الاسلام (فقہ) از ناشناس۔
آغاز: بسم..... نحمدہ ونصلی علیٰ نبیہہ الکریم.....
سید مصطفیٰ ملک پوری، قرن ۱۲ھ، ۱۰۰ص۔

کتابخانہ غوثیہ جمال الدین والی ضلع رحیم یار خاں

۱۔ قرآن مجید، ترجمہ: ناشناس
آغاز: سورۂ فاتحہ..... شروع کرتا ہوں.....

نسخ و نستعلیق ، ۱۱۱۴ص

۲۔ ذکرعظیم (تذکرہ)

از مولوی فیض محمد فیض بن امیر محمد صدیقی۔

آغاز : رب ..... الحمد للہ رب العالمین .....

نستعلیق ، امیر محمد ، ۳۳۶ ص۔

گنجینۂ صادق ، مولانا مفتی محمد صادق ، بہاولپور

۱۔ الحق مرد ، (ادب) از غلام محمد ،

آغاز : الحق مرد ، کرم و معظم الحاج مولانا مولوی .....

نستعلیق ، مؤلف ، ۱۹۴۹ء ، ۱۳ص۔

۲۔ بحثی در ہمزہ (زبان شناسی)

از مولانا محمد معاذ بن مولانا محمد صادق۔

آغاز : بسمہ ...... پانچواں باب قواعد مہموز کے ....

نستعلیق ، مؤلف ، ۱۹۵۷ء ، ۶۸ص۔

۳۔ تذکرۂ علمائی بہاول پور ، ج ۱۔

از مفتی محمد صادق بہاول پوری۔

آغاز : بسمہ ..... جب کوئی تذکرہ نویس ....

نستعلیق ، ۱۹۶۲ء ، ۳۰ص۔

۴۔ تذکرہ علمائی بہاول پور ، ج ۲ ، از مفتی محمد صادق۔

آغاز : مولانا انوار احمد صاحب بن پیر ......

نستعلیق ، ۱۹۶۳ء ، ۹۰ص۔

۵۔ تذکرہ علمائی بہاول پور ، ج ۳ ، از مفتی محمد صادق۔

آغاز : باب الالف حکیم الامت حضرت مولانا .....

نستعلیق ، مولف ، ۱۵۰ص

۶۔ تذکرہ علمائے بہاول پور ، ج ۴۔ از مفتی محمد صادق۔

آغاز : فقیہہ الامت مولانا کفایت اللہ بن ......

نستعلیق ، مؤلف ، ۴ ، ص۔

۷۔ تطیب الاخوان بذکر علمائی الزمان

از مولانا محمد ادریس نگرامی۔

نستعلیق ، مولانا محمد باقر بن مولانا شاکر ، ۱۳۸۱ھ/۱۹۶۱ء ، ۱۹۲ص

۸۔ رسالہ میراث (فقہ) ناشناس

نستعلیق ، ۲۲ ص۔

۹۔ نظر اجمالی بر قوم و عشیرہ لاڑ (تاریخ)

از مولانا محمد صادق بن عبد اللہ جامی ۔

آغاز : بسمہ ..... امابعد خاکسار بے مقدار.....

نستعلیق ، مؤلف ، ۳۰ ص۔

گنجینۂ فیض ، بہاول پور

۱۔ مراتب سبع قدمیہ ، وحدثیہ حقانیہ (تصوف)

از غلام محسن شاہ ہاشمی نوشاہی چشتی

آغاز : بسمہ .... الحمد للہ .... یہ چند سطور در بیان

نستعلیق ، ۱۳۷۵ھ ، ۲۲ص۔

۲۔ میلاد النبی ﷺ (سیرت)

از غلام محسن شاہ ہاشمی نوشاہی قادری فریدی۔

آغاز : بسمہ ..... حامد لمن .... کہ علت غائی ایجاد ...

نستعلیق ، مؤلف ، ۱۳۷۵ھ ، ۲۶ ص۔

مبارک اردو لائبریری محمد آباد تحصیل صادق آباد ۔ مملوکہ جناب سید انیس شاہ جیلانی

۱۔ آپ بیتی ، از سید مبارک علی گیلانی۔

آغاز : روزنامچہ مبارک ۲ن قدح بشکست ....

نستعلیق، مؤلف، ۱۳۵۷ھ/۱۹۳۸ء، ۳۲ص۔

۲۔ آئینہ حیرت (نظم) عبدالمجید حیرت شملوی۔
آغاز: انتخاب ..... دیکھ کر کون تیری شکل کو حیراں ....
نستعلیق، مؤلف، ۲۲۔ ۱۹۱۹ء، ۳۸۶ص۔

۳۔ اردو تحریک از رئیس امروہی۔
آغاز: یکم جولائی: رات بھر اجلتی ہوئی آنکھوں.....
نستعلیق، مؤلف، ۱۹۷۲ء، ۸۰ص۔

۴۔ اُردو سانچے (ادب) از سید مبارک شاہ جیلانی۔
آغاز: آپ نے اتنے قلیل عرصے میں......
نستعلیق، مؤلف، ۱۹۶۲ء، ۳۷۰ص۔

۵۔ اسرار الخزائن (کیمیا)
از غلام رسول بن مولوی غلام حیدر۔
آغاز: اسرار الخزائن .... الحمد للہ رب العالمین ....
نستعلیق، ۴۶ص۔

۶۔ انتخاب دیوان غالب (نظم) از سید مبارک شاہ جیلانی
آغاز: آگہی دام شنیدن جسقدر چاہے ......
نستعلیق، مؤلف، ۴۴ص۔

۷۔ انتخاب نثر، از سید مبارک شاہ جیلانی
آغاز: ۸۶ ۷..... دنیا میں سے ان سے لاکھ سہی....
۸ نستعلیق، مؤلف، ۳۸ص۔

۸۔ انتخاب از شعر حالی۔ از سید مبارک شاہ جیلانی
آغاز: دیباچہ ..... کچھ کذب و افترا ہے کچھ .....
نستعلیق، رب نواز محمدی و فیض اللہ مہر و نظام الدین مدرس، ۱۹۶۸ء، ۹۴ص۔

۹۔ ایام حیرت ج ۱ (ادب) عبدالمجید حیرت شملوی۔
آغاز: ۷ فروری ۱۹۳۱ء تعلیم کا دور ختم ہے ......

نستعلیق ، مؤلف ، ۱۹۲۲ء ، ۷۰۸ ص ۔

۱۰۔ ایام حیرت ج ۲ (ادب) عبدالمجید حیرت شملوی ۔
آغاز : ۱۹۲۳ء .... نیا سال شروع ہوئے ایک ہفتہ ہوچکا ہے ۔ ۔
نستعلیق ، مؤلف ، ۲۶ - ۱۹۲۳ء ، ۵۸۲ ص ۔

۱۱۔ ایام حیرت ج ۲ (ادب) از عبدالمجید حیرت شملوی ۔
آغاز : اتوار .... ۱۲، اپریل ... اتوار کا دن ہے صبح کے نو بجے .....
نستعلیق ، مؤلف ، ۳۷ - ۱۹۳۶ء ، ۳۱۶ ص ۔

۱۲۔ بیاض انیس (ادب ۔ نظم و نثر)
سید انیس شاہ گیلانی ۔
آغاز : بسمہ ... ۔ تاریخ کی آغوش میں قوموں کے لئے .....
نستعلیق ، مؤلف ، ۱۹۵۵ء ، ۱۱۲ ص ۔

۱۳۔ تذکرہ نمائے مبارک (ادب ۔ نظم و نثر)
سید مبارک شاہ جیلانی ۔
آغاز : آج سید مبارک شاہ ناظم ....
نستعلیق ، مؤلف ، ۶۸ - ۱۹۲۵ء ، ۱۸۶ ص ۔

۱۴۔ توجہات (فلسفہ) رئیس امروہی)
آغاز : ۱۹۷۲ء بسلسلہ نفسیات و مابعد ... ۔
نستعلیق ، مؤلف ، ۸۴ ص ۔

۱۵۔ جوئندہ یابندہ (ادب) از سید مبارک شاہ ۔
آغاز : سید ایک بڑے خاندان کا فرد تھا .....
نستعلیق ، مؤلف ، ۹۶ ص ۔

۱۶ حاضرات ارواح ، رئیس امروہی ۔
آغاز : مشہور و معروف امریکی جریدے .....
نستعلیق ، مؤلف ، ۷۳ - ۱۹۷۲ء ، ۸۰ ص ۔

۱۷۔ حرف پریشاں (ادب) از نظیر صدیقی۔
آغاز: میری ادبی زندگی کا......
نستعلیق، مؤلف، ۴۴۔۱۹۵۰ء، ۱۲۰ص۔

۱۸۔ حیات زبیدہ مسرت (ادب)
عبدالمجید حیرت شملوی۔
آغاز: ہفتہ..... الحمدللہ آج صبح دس بجے.......
نستعلیق، مؤلف، ۴۰۔۱۹۳۸ء، ۲۵۸ص۔

۱۹۔ داستان حیرت بیان (ادب)
سید محمد مہدی صبا ابن شفیق اختر
آغاز: کروں پہلے حمد خدائے قدیر.......
نستعلیق، ۱۶۶ص۔

۲۰۔ روزنامچہ رئیس احمد جعفری۔ سید رئیس احمد جعفری۔
آغاز: لاہور یکم جنوری ۱۹۵۵ء عجب اتفاق.....
نستعلیق، مؤلف، ۱۹۵۵ء، ۴۲۳ص۔

۲۱۔ روزنامچہ رئیس احمد جعفری (تاریخ)
سید رئیس احمد جعفری
آغاز: ۲۶ ستمبر ۱۹۵۵ء .... الحمدللہ آج ریاض ہمایوں کا کام......
نستعلیق، مؤلف، ۱۹۵۵ء، ۴۲ص۔

۲۲۔ روزنامچہ رئیس احمد جعفری (تاریخ) سید رئیس احمد جعفری
آغاز: آج تقریباً دس.........
نستعلیق، مؤلف، ۱۹۵۶ء، ۱۲۲ص۔

۲۳۔ ریاض دنیاز — سفرنامہ بھوپال، دہلی و لکھنؤ۔
سید محمد مبارک شاہ گیلانی۔
آغاز: ۱۵ مارچ ۱۹۶۰ء ..... رسالہ نگار جو اس.......
نستعلیق، مؤلف، ۱۹۶۹ء، ۵۶ص۔

۲۴۔ سرگزشت حیرت ج ۱ ۔ از عبدالمجید حیرت شملوی
آغاز : بھائی چھ بجے آئے اور ایک رقعہ چھوڑ کر ۔۔۔۔۔۔۔
نستعلیق ، مؤلف ، ۲۷۔۱۹۲۶ء ، ۴۵۰ ص ۔

۲۵۔ سرگزشت حیرت ج ۲ ، از عبدالمجید حیرت شملوی ۔
آغاز ، شملہ ۔۔۔۔۔ آج ایک طویل مدت کے بعد ۔۔۔۔۔
نستعلیق ، مؤلف ، ۳۱۔۱۹۳۰ء ، ۷۹۲ ص ۔

۲۶۔ سرگزشت حیرت ج ۳ ، از عبدالمجید حیرت شملوی ۔
آغاز : بسم ۔۔۔۔۔ آج کی دردناک داستان ۔۔۔۔۔
نستعلیق ، مؤلف ، ۳۳۔۱۹۳۱ء ، ۷۲۴ ص ۔

۲۷۔ سرگزشت مبارک ج ۱ ، سید مبارک شاہ گیلانی
آغاز : ۲۹ ر اکتوبر ۱۹۵۹ء احباب کے متعلق ناظر چاچڑائی ۔۔۔۔۔
نستعلیق ، مؤلف ، ۶۰۔۱۹۵۹ء ، ۲۲۸ ص ۔

۲۸۔ سرگزشت مبارک ج ۲ ، از سید مبارک شاہ گیلانی ۔
آغاز : ۲۰ر جنوری ۱۹۶۰ء ۔۔۔۔۔ یہ پہلے گریجوایٹ ۔۔۔۔۔
نستعلیق ، مؤلف ، ۱۹۶۰ء ، ۷۶ ص ۔

۲۹۔ سرگزشت مبارک ج ۳ ، از سید مبارک شاہ گیلانی ۔
آغاز : ۱۲ر دسمبر ۔۔۔۔۔ ابوالکلام سلمہ کا ختنہ ۔۔۔۔۔۔
نستعلیق ، مؤلف ، ۱۹۶۳ء ، ۵۶ ص ۔

۳۰۔ سوانحیات سید محمد شاہ ، از سید مبارک شاہ جیلانی ۔
آغاز : ۱۵ر جنوری ۔۔۔۔۔۔ خان محمد کہتے ہیں کہ میرا ۔۔۔۔۔۔
نستعلیق ، ۲۷ ص ۔

۳۱۔ قاضی صاحب (ادب ۔ نظم و نثر)
از سید انیس شاہ گیلانی
آغاز : غریق رحمت کا سال ماتم ۔۔۔۔۔۔۔
نستعلیق ، مؤلف ، ۲۵۰ ص ۔

۳۲۔ قاضی صاحب ، از سید انیس شاہ۔
آغاز : ایسے ظالم : لکھنے پڑھنے کا لطف موسم ....
نستعلیق ، مؤلف ، ۱۰۶ص۔

۳۳۔ قرآن مجید ، ترجمہ : ناشناس۔
آغاز : سورۂ فاتحہ ..... اصل تعریف اللہ ہی ....
نسخ ، قرن ۱۱ھ ، ۳۸۸ص۔

۳۴۔ کرمنامہ ج ۱ ، (ادب) از سید انیس شاہ گیلانی۔
آغاز : آدرس انگلسی .... مکرمی گرامہ نامہ برادرم .....
نستعلیق ، مرتب ، ۱۹۶۹ء ، ۲۹۰ص۔

۳۵۔ کرمنامہ ج ۲۔ از سید انیس شاہ گیلانی۔
آغاز : باسمہ سبحانہ مکرمی ..... . نے بخاری کی سرگزشت ......
نستعلیق ، مرتب ، ۲۲۶ص۔

۳۶۔ کرمنامہ ج ۳۔ از سید انیس شاہ گیلانی
آغاز : باسمہ سبحانہ مکرمی میں کیا عرض کروں .....
نستعلیق ، مؤلف ، ۳۵۸ص۔

۳۷۔ مضامین انیس ج ۱ (ادب) از سید انیس شاہ گیلانی۔
آغاز : بسمہ .... تقسیم ملک سے پہلے لیسٹر خواہ ....
نستعلیق ، مؤلف ، ۷۴۔۱۹۶۹ء ، ۴۳۳ص۔

۳۸۔ مضامین انیس ج ۲۔ از سید انیس شاہ گیلانی۔
آغاز : خادم ، اردو مولوی عبدالحق سے ملاقاتیں.....
نستعلیق ، مؤلف ، ۷۴۔۱۹۶۴ء ، ۴۱۴ص۔

۳۹۔ مکاتبات مولانا عبدالماجد دریاآبادی و رجال دیگر
مرتب : سید انیس شاہ گیلانی۔
آغاز : شبلی منزل اعظم گڑھ برادر عزیز السلام علیکم ....
نستعلیق ، مرتب ، ۵۹۔۱۹۱۷ء ، ۱۸۲ص

۴۰۔ مکتوبات رئیس احمد جعفری ، از سید انیس شاہ گیلانی
آغاز : آدرس ...... جناب محترم سید صاحب ....
نستعلیق ، مرتب ، ۱۹۶۱ء ، ۲۸۸ ص

۴۱ مکتوبات رئیس احمد جعفری ، از سید انیس شاہ گیلانی ۔
آغاز : تم نے پہلے خط میں اپنی والدہ سے نہ مل .....
نستعلیق ، مرتب ، ۵۷-۱۹۵۶ء ، ۱۵۴ ص

۴۲۔ مکتوبات رئیس احمد جعفری ، از سید انیس شاہ گیلانی ۔
آغاز : آدرس ...... آفتاب زندگی تمہارا پہلا خط.....
نستعلیق ، مرتب ، ۱۹۵۲ء ، ۱۴۴ ص ۔

۴۳۔ یادداشتہائی مبارک شاہی ، از سید مبارک شاہ جیلانی
آغاز : بسمہ ..... مختصر سوانح حضرت پیر محمد شاہ.......
نستعلیق ، مؤلف ، ۳۲-۱۹۲۴ء ، ۵۰ ص

۴۴۔ یادداشتہائی رئیس احمد جعفری ، از رئیس احمد جعفری ۔
آغاز : یکم جنوری ۱۹۵۵ء عجب اتفاق ہے .....
نستعلیق ، مؤلف ، ۱۹۵۵ء ، ۳۶۶ ص ۔

۴۵۔ نامہ ہائی رجال معاصر بہ مبارک شاہ ۔
از سید انیس شاہ گیلانی ۔
آغاز : میرے پیارے میں خیر آباد گیا تھا..... ۔
نستعلیق ، ۵۵-۱۹۲۶ء ، ۴۵۶ ص ۔

۴۶۔ نامہ ہائے مہدی افادی بہ مولانا عبدالماجد دریابادی ۔
از سید انیس شاہ گیلانی ۔
آغاز : مہدی افادی پیارے دو سطر کارڈ......
نستعلیق ، مرتب ، ۲۱-۱۹۱۷ء ، ۸۲ ص ۔

عبدالرحیم کلاچوی

۱۔ تفسیر طنطاوی ، ترجمہ : عبدالرحیم کلاچوی ۔
آغاز : بسم ..... ہر شخص نے ....
نستعلیق ، مترجم ، ۱۳۶۲ھ ، ۱۸۴ص ۔

پشتو اکادمی ، پشاور یونیورسٹی ، یونیورسٹی ٹاؤن پشاور

۱۔ غازیان محمود (تاریخ)
از خوشحال خاں گیسدی خیل
آغاز : حدود اربعہ شمال و مغرب میں شمالی .....
نستعلیق ، مؤلف ، ۱۶۷ص ۔

کتب خانہ مفتی عبدالسبحان خانقاہ نقشبندیہ نزد عیدگاہ ہری پور

۱۔ تقویۃ الایمان (عقائد)
از حافظ شاہ محمد اسماعیل شہید دہلوی ۔
آغاز : بسم ..... الٰہی ہزار ہزار شکر تیری ذات ......
نستعلیق ، قرن [illegible] ، ۱۲۸ص ۔

۲۔ دیوان شعُور ، از شعُور
آغاز : زمیں قبر سی کیونکر لگے گی ....
نستعلیق ، ۳۴۸ص ۔

مولانا محمد عبدالدائم خانقاہ صدریہ ، مجددیہ ، نقشبندیہ ہری پور بالمقابل ریلوے اسٹیشن

۱۔ جمال الملۃ والدین فی رد عقائد الوہابین ۔
از قاضی علی احمد
آغاز : رب .... حمد وا فر سزاوار ہے اسی خالق برحق ......

نسخ و نستعلیق ، میاں محمود ساکن گلیانہ ، ۶۸ ص ۔

۲۔ حل مشکلات المغیث (فقہ) از مولانا فیض عالم
نستعلیق ، مؤلف ، ۱۷۰ ص ۔

۳۔ حیانتہ العباد عن الخطاب بالسواد (فقہ)
محمد عمر الدین کوٹ نجیب اللہ ہزارہ
آغاز : بسم ..... سوال کیا فرماتے ہیں علمائی دین و .....
نستعلیق ، ۱۳۲۷ھ ، ۲۴ ص ۔

۴۔ نبراس الصالحین الرفع حطاعن غیرالمقلدین ۔
علامہ فیض عالم ہزاروی ۔
آغاز : بسم ..... جواب و سال مخفی نہ ہے کہ .....
نستعلیق ، قرن ۱۳ھ ، ۱۰۸ ص ۔

۵۔ نبراس البررہ عند اداء الجمعہ فی الحکومت الکفرہ ۔
از ابوالاسعد محمد فیض عالم ہزاروی ۔
آغاز : بسم .... الحمد للہ الذی علم آدم الاسماء .....
نستعلیق ، مؤلف ، قرن ۱۳ھ ، ۲۲۲ ص ۔

نیشنل بک فاؤنڈیشن جمرود روڈ ۴۶/۵ پشاور

۱۔ تشریحات قرآن الحکیم ، از حافظ محمد صدیق دہلوی ۔
آغاز : بسم .... اس آیت میں ......
نستعلیق ، محمد اسرائیل ، ۱۳۴۵ھ ، ۹۰ ص ۔

۲۔ صدر الکلام فی عقائد الاسلام (عقائد)
قاضی صدرالدین نقشبندی ہزاروی ۔
آغاز : بسم ...... اثبات وجود باری تعالے محقق .....
نستعلیق ، محمد اسرائیل ، ۱۹۲۶ء ، ۹۸ ص ۔

* سید عابد رسول

اطلاعات و اعلانات

جناب حکیم محمد موسیٰ امرتسری مدظلہ روبصحت ہیں

مشہور محقق جناب حکیم محمد موسیٰ امرتسری مدظلہ جو پچھلے کئی ماہ سے ایک حادثے کی وجہ سے زخمی تھے۔ اب الحمدللہ روبصحت ہیں۔ حادثے کی تفصیل بتاتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ ایک دن صبح صادق اپنے مکان کی چھت سے اترتے وقت چکرا کر صحن میں گرے۔ اس وجہ سے کولہے کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ کئی ماہ سے علاج جاری ہے۔ اب الحمدللہ بیساکھیوں کے سہارے چل پھر لیتے ہیں۔ چند ہفتوں تک انشاء اللہ مطب پر تشریف لایا کریں گے۔ آپ نے تمام احباب کا شکریہ ادا کیا ہے۔ جنھوں نے براہ راست خط لکھ کر یا مجلہ "سہروردی" کی معرفت آپ کی عیادت فرمائی اور دعاگو ہوئے۔

۲۔ رکن مجلس مشاورت "سہروردی" جناب عارف نوشاہی کی ایران روانگی

فارسی ادبیات کے مشہور محقق، مدیر مجلہ "دانش" و "کتاب شناسی" اور رکن مجلس مشاورت "سہروردی" جناب سید عارف نوشاہی دانش گاہ مشہد (ایران) سکالرشپ ملنے کی وجہ سے ایران روانہ ہو گئے ہیں۔ ایک ملاقات میں انہوں نے بتایا کہ آپ وہاں کم از کم دو سال اور زیادہ سے زیادہ چار سال رہیں گے۔

سہروردیہ فاؤنڈیشن کے اراکین ان کے علم و عرفان میں ترقی کے لئے دعاگو ہیں اور امید کرتے ہیں کہ اپنے زمانہ طالب علمی کے دوران بھی آپ فاؤنڈیشن کے علمی و تحقیقی کاموں کی حسب

---

* ناظم اشاعت و ترسیل

سابق سرپرستی و تعاون فرمائیں گے۔

تقریبات عرس حضرت غوث العالمین قدس سرہٗ

اوائل ماہ ستمبر ۱۹۸۸ء کو حضرت غوث العالمین بہاؤالدین زکریا ملتانی قدس سرہٗ کے عرس کی تقریبات قلعہ کہنہ ملتان میں منعقد ہوئیں۔ اس موقع پر ایک مجلس مذاکرہ کا بھی اہتمام کیا گیا تھا۔ جہاں حضرت غوث العالمین قدس سرہٗ کی تعلیمات پر مختلف محققین نے مقالات پڑھے پاکستان میں منعقدہ تقریباً تمام اعراس پر بدعات کا ایک سیلاب امڈ آتا ہے جو صاحبان مزارات کی تعلیمات کے بالکل برعکس ہوتا ہے۔ حضرت غوث العالمین قدس سرہٗ کے عرس کے موقع پر بھی ایسا ہی دیکھنے میں آیا۔ فاؤنڈیشن کے اراکین اس امر پر صدائے احتجاج بلند کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔

اعراس کے موقع پر اس طرح کی بدعات کا سختی سے نوٹس لینا انتظامیہ اور محکمہ اوقاف کی ذمہ داری میں شامل ہے۔ ہم یہ باور کرتے ہیں کہ یہ تمام اعمال حضرت غوث العالمین قدس سرہٗ کی تعلیمات کے بالکل منافی ہیں اور یہ تمام حرکات ملک و ملت پر عذاب الٰہی کا باعث بنیں گی۔

جلسہ عید میلاد النبیؐ و مجالس اعراس

آفتاب طریقت سہروردیہ، شہباز ولائیت، شیخ الاسلام حضرت سید ابوالفیض قلندر علی سہروردی قدس سرہٗ اپنے زمانہ حیات ظاہری میں ۱۱۔ ربیع الاوّل کی رات حضور نبی پاک روف الرحیم رحمت اللعالمین، ختم المرسلین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کے سلسلے میں ایک محفل ذکر و فکر منعقد فرماتے تھے۔ جس میں علماء حضرات کے واعظ کے علاوہ قلبی و فکری بالیدگی حاصل کرنے کے لئے نعت و سلام بھی پڑھا جاتا تھا۔ الحمد اللہ آپ کے متبعین اس محفل کو آپ کے وصال کے بعد بھی اسی انداز سے جاری رکھے ہوئے ہیں اور یہ امر اور بھی باعث طمانیت و انبساط ہے کہ اس موقع پر ہر قسم کی خرفات سے مکمل اجتناب برتا جاتا ہے۔ اگلے دن صبح ۱۲۔ ربیع الاوّل کو بسلسلہ اعراس قطب عالم حضرت میاں غلام محمد سہروردی جہات گڑھی قدس سرہٗ اور شیخ الاسلام حضرت سید ابوالفیض

قلندر علی سہروردی قدس سرہٗ ایک محفل بھی منعقد ہوتی ہے۔ دونوں مشائخ سہروردیہ کے مختصر احوال آثار یوں ہیں؛

شمس شریعت محمدیہ حضرت میاں غلام محمد سہروردی قدس سرہٗ

آپ کی ولادت اٹھارویں صدی عیسوی کے اوائل میں ہوئی (۱) جلالپور جٹاں گجرات سے ملحق ایک گاؤں رسول پور میں پیدا ہوئے۔ آپ کے جد امجد حضرت قبلہ شیخ مسعودؒ تھے۔ جو حضرت غلام قادر گجراتیؒ کے مرید تھے (۲) آپ کے والد کا اسم گرامی حضرت میاں محمد علیؒ تھا۔ آپ کا تعلق خاندانی لحاظ سے گجرات کے اعوان قبیلے سے تھا اور اس قبیلے کے مورث اعلیٰ حضرت علی کرم اللہؓ ہیں۔ (۳)

آپ کی شیر خوارگی کے ایام کے بعد کی جو روایات ملتی ہیں۔ ان سے پتہ چلتا ہے کہ آپ بچپن ہی سے عام بچوں کی طرح نہ کھاتے، نہ پیتے، نہ روتے، نہ سوتے، نہ بضد ہوتے شوخی سے نفرت اور کھیل تماشے سے علیحدگی پسند فرماتے۔ ایک گوشۂ تنہائی سے پیار ہوتا۔ جب ذرا ہوش سنبھالا تو ریاضت و مجاہدہ میں قدم رکھا۔ اکثر اوقات وظائف میں مشغول رہتے۔ گوشہ نشینی نے آپ پر ایک خاص اثر کیا اور چلہ کشی میں انہماک زیادہ ہوتا گیا۔ حتیٰ کہ چلہ کشی کی محنت شاقہ اور جان کاہ ریاضت سے آپ کی نظر بند ہو گئی جو آپ کے والد بزرگوار کے علاج کرانے پر بحال ہو گئی۔

اس کے ساتھ ساتھ حصول تعلیم بھی جاری رہا۔ دینی درسی کتب کچھ اپنے دادا حضرت حافظ میاں محمدؒ اور کچھ اپنے والد حضرت حافظ میاں محمد علیؒ سے پڑھیں۔ علم فقہ مولوی قائم الدینؒ (سنکہ بھکو ضلع گجرات) سے حاصل کیا۔ علم ادب، عربی اور اخلاقی کتب کا مولوی عبد اللہؒ (سکنہ چک عمر والوں) سے حصہ پایا۔ علم اصول و معانی کے لئے مولوی محمد عالمؒ کی خدمت میں پہنچے اور کامل ہوئے۔ اس کے بعد علم طب کا شوق ہوا۔ جس کے لئے حکیم سید احمد شاہ صاحب (پنڈی میاں وال) سے استفادہ کیا گیا اور چھبیس سال کی عمر تک تمام علوم سے فارغ التحصیل ہو کر باطنی سلسلہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ (۴)

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ آپ کو ریاضات و مجاہدات میں انتہائی انہماک تھا۔ انہی ایام میں آپ نے اپنے والد گرامی کی خدمت میں عرض کیا کہ مجھے قطب ولائت حضرت

باباجنگو شاہ قلندر قدس سرہٗ بلاتے ہیں۔ (۵) آپ کے والد ماجد نے آپ کو حضرت بابا جنگو شاہ قلندر قدس سرہٗ کی خدمت میں پیش کر دیا جو گجرات بھمبر روڈ پر واقع ایک گاؤں ملوکھوکھر میں رہائش فرماتے تھے۔ آپ نے اپنا پس خوردہ دودھ آپ کو پینے کے لئے دیا۔ دودھ پیتے ہی آپ پر حالت استغراق طاری ہوگئی۔ اس حالت میں باباصاحب رحمۃ اللہ علیہ نے " ہوش دار " کی آواز دی اور فرمایا۔" بیٹا اس میدان میں بے ہوش ہو کر گرنا مردانگی نہیں۔" (۶)

بعد ازاں آپ حضرت باباجنگو شاہ قلندر قدس سرہٗ سے طریقت سہروردیہ کی تعلیم کا سبق حاصل کر کے سیاحت کی غرض سے وطن سے نکل کھڑے ہوئے اور ۱۲ سال بعد وطن مالوف واپس تشریف لائے۔ اس دوران آپ نے ایران، عراق، شام اور مصر کی سیاحت کے علاوہ مکہ مکرمہ اور روضۂ رسولؐ پر بھی حاضری دی۔ آپ کے واپس آنے سے پہلے ہی شیخ مکرم حضرت باباصاحبؒ کا انتقال ہوچکا تھا۔ جس کا آپ کو بہت صدمہ ہوا۔

خود حضرت قطب عالم قدس سرہٗ نے فرمایا (۷) کہ جب حضرت قبلہ جنگو شاہ قدس سرہٗ میرے گھر پہنچنے سے پہلے وصال فرما گئے تو مجھے سابقہ طمانیت نہ رہی اور میں نے چاہا کہ مجھے کوئی دوسری پاکیزہ مجلس ملے۔ اتفاقاً ہمارے علاقے سے ایک درویش حضرت سید ظہور الحسن بٹالویؒ کا گزر ہوا۔ میں اپنے والد صاحب کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مدعا بیان کرنے پر آپ نے تہجد کا وقت دیا۔ جب تہجد کے وقت حاضر ہوا تو آپ نے میرے والد کو فرمایا کہ اس کو بیعت کرانے کے خیال سے آپ کیوں لائے ہیں۔ اس کا پیر نہائیت قابل ہے۔ جو اس کو کسی حال میں بھی نہیں چھوڑ سکتا اور نہ کسی دوسرے کی تحویل میں دینا پسند فرماتا ہے اور مجھے فرمایا کہ یاد رکھو کہ آئندہ اس ارادے پر کسی شخص کی خدمت میں حاضر نہ ہونا۔ جو تم کو اس کیفیت کے بعد اپنی بیعت میں لے گا۔ وہ کامل شیخ نہیں ہوگا۔ لو یہ ایک کمبل اور پانچ روپے میری طرف سے اپنے .... شیخ کی خدمت میں نذرانہ گزارو اور وہاں ہی حاضر ہو کر اپنے باطنی فیض اور طمانیت کے لئے گزارش کرو کہ قبلہ مجھے غیر کا محتاج نہ بنایئے اور ہاتھ پکڑنے کی لاج رکھ کر منزل مقصود دلایئے۔

چنانچہ حضرت پیر ظہور الحسنؒ کے ارشاد کے مطابق آپ موضع ملوکھوکھر (جہاں پر حضرت قطب ولائیت پیر شرف الدین جنگو شاہ قلندرؒ کا مزار ہے) حاضر ہوگئے۔ جب وہاں وہ نذرانہ مع کمبل

مرقد شریف کی پائنتی پر رکھ دیا تو نہ اس کو کسی خادم نے اٹھایا اور نہ ہی حضرت بابا جنگو شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے مزار سے کوئی آگاہی ہوئی۔ حضرت میاں صاحب بہت متفکر ہوئے کہ شاید میری کسی غلطی کی سزا ہے کہ نہ کوئی جواب مل رہا ہے اور نہ ہی نذرانہ قبول ہوتا دکھائی دیتا ہے۔ آپ اسی فکر میں تھے کہ ایک بی بی صاحبہ وہاں پہنچ گئیں۔ جن کا نام کرم بی بی تھا، جو حضرت بابا جنگو شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ہمشیرہ تھیں۔ بی بی صاحبہ نے جو ایک صاحب نسبت خاتون تھیں۔ میری حالت دیکھ کر فرمایا کہ گھبراؤ نہیں۔ تمہاری طرف سے میں عرض کرتی ہوں۔ چنانچہ انہوں نے مزار پر عرض کی کہ اس بچے کو سرفرازی بخشئے اور اس کی عرض و نذرانہ قبول فرمایئے۔ اس آواز کے سنتے ہی قبر شق ہوئی اور حضرت بابا جنگو شاہ رحمۃ اللہ علیہ مزار سے جلوہ گر ہوئے اور آپ پر ایک قلندرانہ توجہ فرمائی۔ توجہ پاتے ہی آپ کو دین و دنیا کی ہوش نہ رہی۔ یہاں تک کہ آٹھ دن بے ہوش پڑے رہے۔ اس کے بعد جب ہوش آیا تو وہی بی بی صاحبہ موجب رہنمائی اور تسکین بنیں اور فرمانے لگیں کہ اب اٹھو اور حضرت شاہ دولہ رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر گجرات چلو۔ وہاں سے جو ارشاد ہوگا۔ اس پر عمل کیا جائے گا۔ چنانچہ آپ مع بی بی صاحبہ کے گجرات دربار شاہ دولہ دریائی پر پہنچے اور اپنا مافی الضمیر عرض کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بے ہوشی اور مایوسی مستقل ہوش اور امید سے بدل گئی۔ یہاں تک کہ آپ اپنی درویشی کی تمام تر ذمہ داریوں کو نبھا کر دنیا سے تشریف لے گئے۔ (۸)

یہ سلسلہ چل ہی رہا تھا کہ آپ کے مدارج عالیہ میں ایک نیا انکشاف ہوا۔ آپ ایک دن کسی ضروری کام کے سلسلے میں ایک گاؤں موضع فتح پور تشریف لے گئے۔ جہاں ایک بزرگ حضرت میاں قطب الدین وڑایچ رہتے تھے جو ایک مرد خدا کی حیثیت میں خلق میں مشہور تھے۔ آپ کی عمر تقریباً ۹۰ سال تھی۔ وہ مسجد میں بیٹھے اپنی گودڑی سی رہے تھے۔ انہوں نے جب میاں صاحب کو دیکھا تو بڑی محبت و پیار سے ملاقی ہوئے۔ میاں صاحب نے عرض کی کہ اگر ارشاد ہو تو میں گودڑی سی دوں۔ آپ نے فرمایا۔ ہاں سی دو۔ میاں صاحب نے گودڑی کو سینا شروع کر دیا اور باتیں کرتے رہے۔ باتوں باتوں میں یہ راز کھل گیا کہ یہی وہ لڑکا ہے جس کی نسبت حضرت حامد شاہ قدس سرہٗ (۹) نے اشارہ کیا تھا۔ پھر کیا تھا۔ آپ نے سینے سے لگا لیا اور فرمایا۔ بیٹا! تمہاری ایک امانت میرے پاس ہے جو میں بڑھاپے کی وجہ سے حاضر ہو کر تمہیں دے نہ سکا۔ پہلے امانت لے لو۔ پھر کوئی دوسری بات کریں گے۔ چنانچہ انہوں

نے وہ امانت سینے میں رکھ کر اپنے تین اسباق بیان فرما دیئے۔ ایک وہ جو حضرت صاحب کے دادا حضرت شیخ مسعودؒ سے ملا تھا۔ دوسرا وہ جو حضرت خضرؑ نے ارشاد فرمایا (۱۰) اور تیسرا حضرت میراں محمد شاہؒ والا۔ جس کے ساتھ ہی ارشاد ہوا کہ آپ میراں محمد شاہؒ والا سبق سبق نہ پڑھیں۔ ویسے اجازت دی گئی ہے۔ حضرت میاں صاحب وہاں سے فائز المرام واپس تشریف لائے۔

اس رحمت الٰہی کے بعد ایک تیسرا سلسلہ شروع ہوا۔ اور وہ بابا حضرت محمد رمضانؒ کا تھا جو ایک مدبھرے درویش آپ کے گاؤں کے قریب حیات گڑھ میں رہتے تھے۔ وہ حضرت جلے شاہؒ صاحب سکنہ معین الدین پور والوں کی کرامت سے پیدا ہوئے تھے اور ان کے ہی مرید تھے۔ حضرت میاں صاحبؒ کی آبائی سکونت موضع رسول پور میں تھی اور بابا محمد رمضان کی صحبت اور محبت سے جو ایک اسم کا نقش بنانے میں موانست سے پیدا ہو چکی تھی۔ آپ کی سکونت کو حیات گڑھ میں تبدیل کر دیا کیونکہ اسی اثناء میں آپ کی رسم شادی بھی موضع فتح پور ٹبہ میں ادا کر دی گئی تھی اور وقت نہائت خوشی سے گزر رہا تھا مگر وہ نقش جو اس موانست کا باعث بنا۔ وہ باون برس کی عمر تک حضرت بابا محمد رمضان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو حاصل نہ ہوا مگر مثل مشہور ہے کہ ڈھونڈنے والا پا لیتا ہے۔ بابا محمد رمضان صاحبؒ کو ایک رات خواب میں کسی بزرگ نے فرمایا کہ تم رسول پور میاں غلام محمد سہروردیؒ کے پاس جاؤ۔ وہ اس مسئلہ پر تمہاری مدد کریں گے۔ چنانچہ بابا محمد رمضانؒ رسول پور پہنچ کر حضرت میاں صاحبؒ سے ملاقی ہوئے اور یہ تذکرہ کیا۔ غرضیکہ ایک خواب کے اشارے پر نقش مقدس بنا لینے میں کامیاب ہو گئے، اور بابا محمد رمضان صاحب کو حکم ہوا کہ تم حضرت میاں غلام محمد صاحبؒ سے اچھا سلوک کرو کیونکہ اس نقش کی برکات میں ان کا بھی حصہ ہے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں اتنا سلوک ہوا کہ علیحدہ علیحدہ دو گاؤں کی رہائش بھی دشوار ہو گئی اور بابا صاحب نے فرمایا، تم حیات گڑھ آ جاؤ یا میں یہاں آ جاؤں۔ اب اکیلے رہنے میں لطف نہیں آتا۔ الغرض میاں صاحب رسول پور سے بہت کچھ چھوڑ چھاڑ کر حیات گڑھ تشریف لائے اور ایک جگہ بڑے سلوک سے رہنے لگے۔ چونکہ حیات گڑھ (۱۱) کی بستی میں کو خاص دلچسپی نہ تھی۔ جس میں میاں صاحب اپنا وقت اطمینان سے گزارتے۔ اس لئے آپ کبھی کبھی مقامی حالات سے متنفر ہو کر کسی دوسری جگہ تشریف لے جانے کا ارادہ فرما لیتے مگر حضرت بابا محمد رمضان صاحبؒ آڑے آتے اور حیات گڑھ کی اقامت پر

مجبور فرماتے رہے۔

جیساکہ پیچھے ذکر ہوا ہے۔ حضرت میاں صاحب قریباً ۲۸ سال کی عمر میں اپنے والد کے ہمراہ عازم سفرِ حج ہوئے۔ آپ کا یہ سفر سارے کا سارا براستہ خشکی تھا۔ اس کے بعد جب دولت کدہ پر قیام فرمایا تو تبلیغ دین متین میں اکثر اپنے مرکز کے گردونواح میں تشریف لے جاتے اور عوام کو علم ظاہر و باطن کی تبلیغ و تلقین فرماتے۔ آپ نے قریباً قریباً مشرق و مغرب اور شمال و جنوب میں دور دور تک سیاحت فرمائی اور اپنے بے پناہ کشف و عرفان سے بے شمار انسانوں کو ایمان و ایقان بخشا ہے۔

آپ نے تمام عمر کچے بوسیدہ مکان میں گزار دی۔ نہ آپ کو کبھی اچھے بستر یا اچھے لباس کا خیال آیا اور نہ ہی عمر بھر مکان کو پختہ یا بلند بنانے کا ارادہ کیا۔ کبھی احباب نے اس بات کا تذکرہ بھی کیا تو یہ کہہ کر گفتگو بند کر دی کہ مجھے یہ شوق نہیں ہے کہ آرام و آسائش کے لئے اچھے اچھے مکان بناؤں یا لباس کے ساتھ اپنی تقدیس و درویشی کا اعلان کروں۔ درویش کا فرض ہے کہ ایک مسافرانہ زندگی گزارے۔ یہ جہاں دل لگانے اور آرام و آسائش کی جگہ نہیں ہے۔ خوبصورت لباس اور بالاخانوں میں آرام کرنے سے فقر کی غفلت بڑھتی ہے۔ تن آسانی و آرام طلبی درویش کے لئے مقصود سے ہٹانے والی چیز ہے۔ فقر کا کوئی مکان نہیں۔ قبر یاد ہو تو مکان کیونکر بن سکتا ہے۔ مردان خدا چولہے چکی کے الجھاؤ میں نہیں پھنستے۔ درویشی کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ درویش کی روح بلا نفس رہ جائے۔

آپ کا ارشاد فرمایا کرتے کہ ہمارا مشرب عشق ہے۔ عشق میں نہ خوشی ہے نہ راحت، منزلِ عشق میں ترک ہی ترک ہے۔ عاشق کو چاہیئے کہ قتل ہو جائے، سر دے دے مگر شکائیت نہ کرے۔ مطلوب کی شکائیت مطلوب کے وصل میں حجاب ہے۔ عاشق وہ ہے جس کا کوئی سانس یادِ مطلوب سے خالی نہ ہو جائے۔ شریعت عشق کی بنیاد ہے جو درویش شریعت سے بھاگا۔ وہ درویش نہیں۔ شریعت ہی صحیح معنوں میں درویش بناتی ہے۔ وہ عاشق ہی کیا ہے جو معشوق کے راستہ پر چلنے سے خوف کھائے۔ آپ فرمایا کرتے کہ میں شریعت کا بندہ ہوں۔ میرے سامنے وہ گفتگو جو غیر شرعی درویشوں کا وطیرہ ہے نہ کیا کرو۔ شریعت کے خلاف کلام کرنا انسان کو مردہ دل بنا دیتا ہے۔ جس نے قرآن چھوڑا۔ اس کا درویشی سے کوئی واسطہ نہیں۔ محبوب کی ہر چیز محبوب ہوتی ہے۔ جس درویش کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی حضوری حاصل نہیں ۔ وہ کچھ بھی نہیں ۔ مشربِ تسلیم ورضا میں اختیار و انتظام نہیں ۔
ایک اور موقع پر آپ نے ارشاد فرمایا ۔ بعض درویش بغض وحسد کے پتلے بن جاتے ہیں اور اپنے نفس کو تعلی و تفوق میں رکھ کر دوسرے ہمعصروں کا شکوہ کرتے ہیں ۔ یہ نفسانیت اہل اللہ کا شیوہ نہیں ۔ ہاں اگر طریق کار اور اعمال میں اختلاف ہو تو اور کوئی درویش اس طریق کے خلاف جائے جو حضور علیہ السلام کا ہے تو اس سے پوری سمجھ ہونے پر اختلاف رکھنا جائز نہیں کیونکہ ایسے درویش خود نامرد اور مردوں کے راہزن ہوتے ہیں ۔ گلہ ، شکوہ ، جھگڑے جھمیلے علمائے سوء کا کام ہے ۔ درویش کو ان سے بچنا چاہیئے ۔ اگر یہ بلند ہے تو اس کا معاملہ خدائے ذوالجلال سے ہے اور اگر یہ خام ہے تو اسی سے بلندیٔ معرفت کی طلب کرے ۔ کوئی درویش کسی کو پست جاننے سے بلند نہیں ہوتا ۔ جب تک یہ کسی کی عیب چینی کرتا ہے خود سے پوشیدہ رہتا ہے ۔ کسی کے عیب دیکھنے کی بجائے درویش کو اپنا مطالعہ کرنا نہائت افضل ہے ۔ (۱۲)

آپ کا لباس نہائت سادہ ، موٹا اور غیر انگشت نما ہوتا تھا ۔ بعض اوقات ہفتوں بلکہ مہینوں ایک ہی لباس زیب تن رہتا تھا ۔ تفاخرانہ پوشش کو آپ پسند نہیں رکھتے تھے ۔ ہر بات اور ہر کام میں سادہ مزاجی آپ کا شعار تھا ۔ آپ نہائت پاکیزگی پسند ، ہر قسم کی بد بُو سے بچنے والے ایک درویش بے گلیم تھے ۔

آپ کو تلقین کے معاملہ میں طوالت ناپسند تھی اور بالعموم جس وقت کسی نے آپ سے اظہارِ خیال وابستگی بصورت بیعت کیا ۔ آپ نے فوراً اس کو اسباقِ سلسلہ سمجھا کر عمل کی تاکید فرما دی ۔ کبھی کبھی رسمی بیعت کا طریقہ بھی اختیار فرما لیتے ۔ کبھی کبھی ہاتھ میں ہاتھ لے کر بھی توبہ تِلا کرانا اور کلمۂ تمجید اور درود شریف سے تعمیل کا اقرار کرانا طبیعت شریف سے ظاہر ہوتا تھا ارادت مندوں سے جس شخص کو آپ تعلیم و تعلّم کے قابل سمجھتے ۔ خرقۂ خلافت سے سرفرازی بخش دیتے ۔

آپ کے خلفاء

عام ارادت مندوں کے گروہ سے جن اشخاص کو حضورؒ نے خرقۂ خلافت و اجازت عطا فرمایا ۔ وہ یہ ہیں ۔

۱۔ سائیں علی گوہر سکنہ جھینڈڑ ضلع گجرات۔
۲۔ سید احمد شاہ سکنہ بھتوال ریاست جموں۔
۳۔ صوفی فیروز الدین سکنہ جہلم ضلع سیالکوٹ۔
۴۔ سید باغ علی سکنہ بھاگووالی ضلع گجرات۔
۵۔ چوہدری غلام رسول سکنہ رسول پور ضلع گجرات۔
۶۔ میاں فضل الٰہی سکنہ پوراں ہیراں ضلع سیالکوٹ۔
۷۔ چودھری محمد حسین گنیانوالہ ضلع گجرات۔
۸۔ سید حسین شاہ گجراتی۔
۹۔ حضرت سید ابوالفیض قلندر علی سہروردی۔

چونکہ آپ عالم تھے۔ اس لئے آپ کا علمی سرمایہ بھی ہوگا۔ آپ کے کتب خانے کے بارے اتنا پتہ چلا ہے کہ کچھ کتابیں آپ کے مرید لے گئے اور کچھ آپ کی اولاد کے ہاتھوں ضائع ہو گئیں۔ آپ کے پوتے محمد میاں اسماعیل مرحوم و مغفور سے ایک قلمی بیاض مجھ تک پہنچی ہے۔ بغور مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا کچھ حصّہ آپ کا تحریر شدہ ہے اور باقی ماندہ حصّے پر آپ کے کسی مرید نے آپ کے بارے یادداشتیں لکھی ہوئی ہیں۔

آپ کا وصال ۱۲۔ ربیع الاوّل ۱۹۵۱ء کو ہوا۔ آپ کا مزار مقدس حیات گڑھ جلالپور جٹاں روڈ گجرات میں مرجع خلائق ہیں۔

شیخ الاسلام حضرت سید ابوالفیض قلندر علی سُہروردی قدس سرہٗ

پیش نظر نسب نامہ حضرات ساداتِ کرام گیلانی کوٹلوی کے مطابق آپ سادات کرام کی گیلانی شاخ کے چشم و چراغ تھے۔ نسبتاً آپ تئیسویں پشت پر غوث الثقلین حضرت شیخ عبدالقادر گیلانی قدس سرہٗ سے جا ملتے ہیں۔ ہندوستان موضع چک قاضیاں ضلع منٹگمری چودویں پشت پر ایک بزرگ حضرت سید ابوالحسن شاہ بدیع الدین آغا شہید رحمۃ اللہ علیہ عہد ہمایوں میں آکر آباد ہوئے۔ بعد ازاں چک قاضیاں سے بمقام کوٹلی لوہاراں آپ کے ایک بزرگ مفتی خدا بخش آکر آباد ہو گئے[۱۳] یہ بزرگ آپ سے چھٹی پشت پر ہیں۔ آپ کا خاندان علمی و روحانی اعتبار سے علاقے میں محوری حیثیت کا حامل تھا۔ اسی وجہ سے آپ کے خاندان کے کئی بزرگ مفتی کے عہدے پر فائز رہے۔ آپ چار جنوری ۱۸۹۵ء کو کوٹلی لوہاراں سیالکوٹ میں پیدا ہوئے (۱۴) ابھی چار سال کے ہی تھے کہ والد ماجد کا انتقال ہو گیا۔

آپ کے والدگرامی زُبدۃ العارفین حضرت مولانا حافظ رسول بخش رحمۃ اللہ علیہ خود عالم باعمل تھے۔ اس لئے چار سال کے بعد آپ ہی کے زیرِ نگرانی ابتدائی تعلیم حاصل کرنا شروع کی مگر آپ کی عمر ابھی آٹھ سال کی ہی ہوئی کہ والدگرامی کا انتقال ہوگیا۔ تاہم انتہائی نامساعد حالات میں بھی تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا اور مڈل تک تعلیم حاصل کی۔ زاں بعد سیالکوٹ کے مقتدر علمائے کرام سے اکتساب علم حاصل کرنے کے بعد اپریل ۱۹۱۰ء میں لاہور کے مشہور مدرسہ "مدرسۃ النعمانیہ" میں داخلہ لیا اور تقریباً چار سال تک دینی تعلیم حاصل فرمائی۔

جنگ عظیم اوّل میں ملکی حالات خراب ہونے کے بعد قدرے ٹھیک ہوئے تو آپ علمی تشنگی بجھانے کے لئے پھر نکل کھڑے ہوئے۔ میرے شیخ محترم دائم برکاتہم سے مجھ تک روایت پہنچی ہے کہ جب آپ مدرسہ دیوبند پہنچے تو نماز عصر کے بعد چند طلباء صحن مسجد میں اپنے استاد سے سوالات پوچھ رہے تھے۔ آپ بھی مجلس میں شامل ہوگئے اور استاد صاحب سے اس حدیث کی وضاحت چاہی۔ جس میں کہا گیا ہے کہ سرکار دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ دین اسلام قرب قیامت میں مکہ مکرمہ میں ایسے واپس آجائے گا۔ جس طرح ایک سانپ اپنی بل میں آگھستا ہے اور سوال کیا کہ دین کو سانپ سے نسبت دینے کی کیا وجہ ہے؟ استاد صاحب کوئی مثبت جواب نہ دے سکے بلکہ الٹا ڈانٹنے لگے کہ پنجابی لونڈوں کے لئے یہاں کوئی جگہ نہیں۔ انہیں سوائے کٹ حجتی کے کچھ نہیں آتا۔ ان کی اس طرز گفتگو سے آپ کبیدہ خاطر ہوکر اسی رات دوسری گاڑی سے بریلی حضرت احمد رضا خان فاضل بریلویؒ کی خدمت میں حاضر ہوگئے۔ مدرسہ منظر اسلام میں تقریباً اڑھائی سال رہے (۱۵)۔ وہاں سے واپسی ۱۹۱۹ء میں ہوئی۔

تلاش شیخ کی تمنا کے لئے کئی بزرگوں کی خدمت میں حاضر ہوئے مگر ہر طرف سے یہی جواب ملتا کہ کسی سہروردی بزرگ کی طرف رجوع فرمائیں۔ چنانچہ آپ اپنے خاندان کے ایک صوفی منش بزرگ کے ہمراہ قطب عالم حضرت میاں غلام محمد سہروردی قدس سرہٗ کی خدمت میں حیات گڑھ ضلع گجرات میں، جن کے حالات پہلے گزر چکے ہیں، حاضر ہوئے۔ چونکہ آپ کو پہلے ہی آگاہی ہوچکی تھی۔ اس لئے آپ نے بیعت فرما کر اسباق کی تلقین فرمادی۔ جنہیں دریائے چناب میں کھڑے ہوکر پڑھنا تھا۔ رات آپ نے حضرت قطب عالم قدس سرہٗ کے پاس گزاری۔ حضرت شیخ الاسلام قدس فرمایا کرتے تھے کہ اسی رات خواب میں حضرت غوث العالمین

بہاؤ الدین زکریا قدس سرہٗ ملے اور فرمایا۔ بیٹا، میں نے تمہارے شیخ کو بھی کہہ دیا ہے کہ تم یہ اسباق نہ پڑھنا کیونکہ سلسلہ کی ترویج و ترقی تم سے مقصود ہے۔ اب جنگلوں اور بیابانوں میں رہنے کی ضرورت نہیں بلکہ شہروں میں رہ کر سلسلہ کا کام کرو۔ جب آپ کی آنکھ کھلی تو حضرت قطب عالم قدس سرہٗ چارپائی پر بیٹھے تھے اور فرما رہے تھے۔ ہم جنگلوں اور بیابانوں میں پھرتے رہے۔ چناب میں کھڑے ہو کر اسباق پڑھتے رہے۔ جس سے جسم کا کچھ حصہ مچھلیاں کھا گئیں مگر ہم پر کسی کو ترس نہیں آیا۔ بیٹا۔ تمہاری قسمت اچھی ہے۔ اللہ تمہیں مبارک کرے۔

وہاں سے حضرت شیخ قدس سرہٗ کے ارشاد کے مطابق آپ لاہور تشریف لائے۔ مختلف مزارات پر معتکف رہے۔ بعد ازاں جامع مسجد حضرت شیخ ابوالمعالی قادری قدس سرہٗ پر خطابت و درس دینا شروع کئے۔ یہ سلسلہ آٹھ سال تک جاری رہا۔ کچھ عرصہ آپ نے مسجد چوہدریاں قلعہ گوجر سنگھ میں بھی خطبات دیئے۔ (۱۹) درس و تدریس کے اس سلسلے میں ایک جم غفیر اکٹھا ہو جاتا تھا کیونکہ واعظ عالمانہ رنگ میں اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ڈوبا ہوا تھا۔

انہیں ایام میں آپ خطابت و امامت کے ساتھ ساتھ رسالہ "الفقیر" کی ادارت و اشاعت کا کام بھی کرتے رہے۔

اس دوران آپ نے اپنے پیر و مرشد باباجیؒ کے فرمان کے مطابق محلہ ادیاں قلعہ گوجر سنگھ میں تھوڑی سی اراضی خرید کر اپنا ذاتی مکان بنوایا اور یہاں پر خطابت و امامت چھوڑ کر تصوّف اور طریقت کی طرف مائل ہوئے۔ چونکہ گذشتہ صدی سے سہروردی طریقے کا لاہور میں کوئی عروج نہیں تھا۔ اس لئے آپ نے اس سلسلہ کی ترویج و تجدید میں بے پناہ کوشش کی اور اس میں آپ نے نمایاں طور پر کامیابی حاصل کی۔ تبلیغی مقاصد کے لئے آپ نے ملک کے طول و عرض میں سفر کئے اور کئی گم گشتہ راہ کو منزل مقصود تک پہنچایا۔ آپ کے خلفائے نامدار کی تعداد ساٹھ ہے۔ جنہوں نے تبلیغ دین متین اور سلسلہ سہروردیہ کی خدمت کے سلسلے میں نمایاں کام کیا ہے۔

آپ نے کافی کتابیں بھی تصنیف فرمائیں جو اردو اور پنجابی میں لکھی گئی ہیں۔ ذیل میں ان کی فہرست دی جاتی ہے۔

۱۔ جمالِ الٰہی : (مسائل الٰہیات اسلامی سے متعلقہ مباحث ہیں۔ ۱۹۵۸ء میں شائع ہوئی)

۲۔ جمالِ رسولؐ؛ (سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بہترین کتاب ہے۔ پہلی بار ۱۹۵۶ء میں شائع ہوئی۔ دوسری بار ۱۹۵۷ء میں طبع ہوئی)

۳۔ الفقر و فخری؛ (علم تصوف پر بہترین کتاب ہے۔ متقدمین کے رنگ میں لکھی جانے کے باوجود زمانہ حال کے متصوفانہ مسائل کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ ۱۹۵۶ء میں پہلی بار اور ۱۹۷۷ء میں دوسری بار چھپی)

۴۔ سیاح الامکان؛ (مسئلہ معراج جسمانی پر نادر کتاب ہے۔ پہلی بار ۱۹۴۴ء میں، دوسری بار ۱۹۵۷ء میں اور تیسری بار ۱۹۸۳ء میں چھپی۔ ادارہ سہروردیہ نی مخزن علوم اسلامیہ ۳۳۔ نسبت روڈ سے مل سکتی ہے۔ قیمت ۱۰ روپے)

۵۔ موعظۃ للمتقین؛ (پہلی بار ۱۹۳۷ء میں، دوسری بار ۱۹۴۴ء میں اور تیسری بار ۱۹۸۵ء میں شائع ہوئی)

۶۔ صحیفہ غوثیہ؛ (شرح قصیدہ غوثیہ، عالمانہ اور ادیبانہ رنگ نمایاں ہے۔ ۱۹۴۵ء میں شائع ہوئی۔ نایاب ہے)

ضخیم کتب کے علاوہ مندرجہ ذیل کتابچے بھی تصنیف فرمائے۔

۷۔ تعارف سہروردیہ ۸۔ تذکرہ سہروردیہ۔ ۹۔ انوار سہروردیہ۔

۱۰۔ دخترِ ملت (اسلامی عورت) ۱۱۔ حلیۃ النبیؐ (منظوم بہ زبان پنجابی)

مختلف مواقع پر جو رسالے شائع فرمائے، وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۲۔ دعوت الحنیفہ (حزب الحناف کی طرف سے شائع ہوا)

۱۳۔ رسالہ علم غیب، ۱۴۔ پردۂ نسواں۔ ۱۵۔ زکوٰۃ کا اسلامی نظام۔

۱۶۔ شعبان معظم، ۱۷۔ رمضان المبارک، ۱۸۔ اسلامی عورت

۱۹۔ لباس التقویٰ، ۲۰۔ کتاب الصوم، ۲۱۔ میلاد الرسولؐ۔

۲۲۔ صوت ہادی، ۲۳۔ مسئلہ میراث، ۲۴۔ گنج شہیداں۔

غیر مطبوعہ تصانیف مندرجہ ذیل ہیں۔

۲۵۔ قمیص یوسفی، (ہیر وارث شاہ کے وزن پر پنجابی زبان میں قصہ حضرت یوسفؑ اور بی بی زلیخا)

۲۶۔ نور مستور، (ولی اللہ بیبیوں کے حالات درج ہیں۔ مسودہ کتاب کی ایک نقل

راقم السطور کے پاس موجود ہے)

۲۷۔ کتاب الصلوٰۃ : ۲۸۔ حروف مقطعات کی تاویلات پر مبنی رسالہ۔

۲۹۔ صلواۃ الجمعہ۔

۳۰۔ حکم قربانی کا عاشقانہ عمل" منظوم (۱۹) (تذکرہ ملفوظات حضرت سید ابوالفیض قلندر علی سہروردیؒ"

مؤلفہ : احسان الحق خاور سہروردی میں شائع ہو چکی ہے۔ (ص ۵۳۲ تا ۵۳۳)

وصال

۹ ستمبر ۱۹۵۸ء بروز منگل بمطابق ۲۴ صفر ۱۳۷۸ ہجری قمری کو وفات پائی۔ موضع ہنجروال ملتان روڈ، لاہور مزار مقدس مرجع خلائق ہے۔

حواشی

۱۔ ۱۹۵۱ء میں آپ کا انتقال ہوا۔ روائیت ہے کہ آپ کی عمر اس وقت تقریباً سو سال کے قریب تھی۔ اس حوالے سے آپ کی پیدائش اٹھارویں صدی کے اوائل میں ہوئی۔

۲۔ (i) تذکرہ سہروردیہ، مؤلفہ شیخ الاسلام حضرت سید ابوالفیض قلندر علی سہروردی قدس سرہٗ۔
(ii) مشائخین سہروردیہ، مؤلف، حضرت شیخ ابوالنصیر محمد نذیر غوری سہروردی دائم برکاتہم۔

۳۔ قلمی بیاض قطب عالم حضرت میاں غلام محمد سہروردی قدس سرہٗ، مملوکہ راقم السطور۔

۴۔ گلزار سہروردیہ، مؤلفہ : شیخ الاسلام حضرت سید ابوالفیض قلندر علی سہروردی قدس سرہٗ۔

۵۔ حضرت بابا جنگو شاہ قلندر قدس سرہٗ کا پورا نام شرف الدین تھا۔ آپ نے حضرت شاہ دولہ دریائی سے اویسی نسبت پائی۔ "تذکرہ غوثیہ" جو حضرت سید قلندر علی پانی پتیؒ کے ملفوظات کا مجموعہ ہے اس میں آپ فرماتے ہیں کہ " قلندر کے مقام پر میں نے دو ہستیوں کو دیکھا ہے۔ ایک شرف الدین بو علی قلندرؒ جو ہو گزرے ہیں اور دوسرے بابا جنگو شاہ قلندر جو میرے زمانے میں موجود ہیں۔"

۶۔ تعارف سہروردیہ، مؤلفہ، شیخ الاسلام حضرت سید ابوالفیض قلندر علی سہروردی قدس سرہٗ۔

۷۔ مشائخین سہروردیہ، مؤلفہ، حضرت شیخ صوفی ابوالنصیر محمد نذیر غوری سہروردی دائم برکاتہم۔

۸۔ تعارف سہروردیہ، مؤلفہ، شیخ الاسلام حضرت سید ابوالفیض قلندر علی سہروردی قدس سرہٗ۔

۹۔ حضرت سید حامد شاہؒ، حضرت قبلہ شیخ مسعودؒ، جو حضرت قطب عالم میاں غلام محمد سہروردی قدس سرہٗ کے جدامجد اور کامل بزرگ تھے، سے فیضیافتہ اور دوست تھے۔ حضرت شیخ مسعودؒ کو حامد شاہ صاحب سے بہت پیار تھا۔ حضرت شیخ مسعودؒ کے شیخ کا نام حضرت غلام شاہ درگجراتیؒ تھا۔ مندرجہ بالا تینوں بزرگوں کے اس سے زیادہ حالات میسر نہیں ہوسکے۔ حضرت شیخ مسعودؒ رانیوال میں رہتے تھے۔

۱۰۔ حضرت خضرؑ والے سبق کا سلسلہ کچھ یوں ہے کہ بھیرہ، مضافات گجرات کے قریب ایک گاؤں ہے۔ وہاں حضرت محمد شاہؒ ایک درویش کامل رہتے تھے۔ ایک دفعہ دریا، جو قریب ہی بہتا تھا۔ اس میں بڑے زوروں کی طغیانی آگئی۔ وہاں کے مقیم آپ کی خدمت میں دعا کے لئے حاضر ہوئے۔ آپ نے فرمایا کہ کوئی مردِ خدا ایسا ہے جو سب کے لئے اپنی جان کی قربانی پیش کرے۔ ہجوم میں حضرت حامد شاہ نامی ایک نوجوان بھی تھے۔ انہوں نے آگے بڑھ کر اپنی جان کا نذرانہ پیش کیا۔ حضرت محمد شاہؒ نے آپ کو ایک تعویذ دیا اور فرمایا کہ دریا میں کود جاؤ۔ جونہی آپ نے دریا میں چھلانگ لگائی۔ آپ کی حضرت خضرؑ سے ملاقات ہوئی۔ حضرت خضرؑ نے ایک سبق آپ کو دیا اور فرمایا کہ حضرت شیخ مسعودؒ کی خدمت میں پہنچو۔ جب رانیوال میں حضرت شیخ مسعودؒ سے آپ کی ملاقات ہوئی تو محبت وانسیت رنگ لائی۔ آپ اکثر شیخ مسعودؒ کی خدمت میں حاضر رہتے اور فیض حاصل کرتے۔ خیال ہے کہ حضرت خضرؑ والا سبق حضرت قطب الدین وڑاپچؒ کو دیں آپ نے حضرت قطب عالم میاں غلام محمد سہروردیؒ کو دیا۔

۱۱۔ حیات گڑھ، جلال پور جٹاں ضلع گجرات سے ایک میل پہلے سڑک کے دائیں جانب واقع ہے۔ یہ علاقہ کافی مردم خیز ہے۔ جلال پور جٹاں میں کافی صاحب علم بزرگ مدفون ہیں۔

۱۲۔ تعارف سہروردیہ، مؤلفہ، شیخ الاسلام حضرت سید ابوالفیض قلندر علی سہروردی قدس سرہٗ۔

۱۳۔ چک قاضیاں موضع الیست مشہور در ضلع منٹگری موروثی قوم سادات کہ از عہد اکبر بادشاہ قصبہائے ایں ضلع تعلق بدیشاں وارد وایشاں از اولاد حضرت سید ابوالحسن شاہ بدیع الدین آغا شہید رحمۃ اللہ علیہ حسنی بغدادی اند کہ مزار مبارک آنحضرت شاہ بدیع الدین آغا شہید در موضع مہاری واقع است و حضرت ایشاں در ابتدائے عہد ہمایوں انار اللہ برہانہٗ وارد ایں ملک شدند و آب وہوائے ایں ضلع برخاطر ملکوت مناظر گوار آمد۔"

(نسب نامہ حضرات سادات کرام گیلانی کو ملوی؛

ترتیب و تحقیق شیخ الاسلام حضرت سید ابوالفیض قلندر علی سہروردیؒ۔
مطبوعہ : دین محمدی پریس، ۲۵، رمضان المبارک ۱۳۷۴ھ، ق)

۱۴۔ تذکرہ و ملفوضات حضرت سید ابوالفیض قلندر علی سہروردیؒ : احسان الحق خاور سہروردی، (ص - ۳۳)

۱۵۔ تذکرہ علمائے پنجاب : اختر راہی (ص ۵۶۸)

۱۶۔ گلزار صوفیاء : عالم فقری (ص ۵۰۷)
تذکرہ علمائے پنجاب : اختر راہی (ص ۵۶۸)

۱۷۔ مشائخین سہروردیہ : حضرت صوفی محمد نذیر غوری سہروردی (ص ۔ ۶۰)

۱۸۔ گلزار صوفیاء : عالم فقری (ص ۵۰۸)

۱۹۔ یہ نظم تذکرہ و ملفوضات حضرت ابوالفیض قلندر علی سہروردیؒ۔
مؤلفہ : احسان الحق خاور سہروردی میں شائع ہوگئی ہے۔
ص - ۵۳۲ تا ۵۳۳۔



* محمد نعیم طاہر سہروردی

حضرت شیخ محمد موسیٰ نواب سہروردیؒ

حضرت شیخ محمد موسیٰ نواب سہروردیؒ کو اپنے عہد کے اصحاب طریقت میں ایک منفرد مقام حاصل ہے۔ آپ حضرت غوث العالم بہاءالدین ذکریاؒ ملتانی کے محبوب ترین خلیفہ اور تایا زاد بھائی تھے۔ سندھ میں سلسلہ سہروردیہ کی نشر و اشاعت آپ ہی کے ذریعہ ہوئی۔

پیچھڑہ شریف، قبہ جامی، شکارپور، پنوں عاقل، سرحد شریف، مبارک بھارہ کی خانقاہیں آپ ہی کے فیضان سے روشن ہیں۔ آپ نے اس خطہ میں اسلام کی شمع روشن کی اور کئی غیر مسلم قوموں کو مشرف بہ اسلام کر کے حلقہ بگوش اسلام بنا دیا۔

آپ کوٹ کروڑ (نزد لیہ) میں حضرت شیخ احمد غوثؒ کے گھر پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد حضرت احمد غوثؒ اپنے وقت کے جید عالم دین اور باکمال بزرگ تھے۔ شجرۂ نسب اس طرح ہے۔ (۱)

حضرت شیخ محمد موسیٰ نواب قریشی سہروردی بن شیخ احمد غوث بن شیخ ابوبکر بن شیخ سلطان جلال الدین بن سلطان علی قاضی بن شمس الدین محمد بن الحسین بن عبداللہ بن الحسین بن المطرف بن خزیمہ بن حازم بن محمد بن المطرف بن عبدالرحیم بن عبدالرحمٰن بن ہبار بن اسود بن مطلب بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصیٰ۔

آپ کے آباؤ اجداد خاندان قریش سے تعلق رکھتے تھے۔ چنانچہ حضرت شیخ کے برادر طریقت حضرت مخدوم سید جلال الدین بخاری سہروردیؒ بڑے فخر سے تحریر فرماتے ہیں:

ومشائخنا کانوا من ذو ساء العرب وسَادَاتُہم واشرف الناس حسباً ونسباً لانّہم قریشون من اتصل نسبہم الی نسب النبیؐ الی قصی بن کلاب (۲)

---

* ولادت: ۸ دسمبر ۱۹۵۸ء۔ ٹیچر گورنمنٹ ہائی سکول سنجر پور (تحصیل صادق آباد)

یعنی میرے مرشد کے آباؤ اجداد عرب کے روساء اور شرفاء میں سے تھے اور وہ ممتاز قریشی تھے کیونکہ ان کا نسب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب مبارک کے ساتھ قصی بن کلاب کے ساتھ مل جاتا ہے۔

حضرت شیخ احمد غوث اپنے والد حضرت سلطان ابو بکرؒ کے وصال کے بعد خطہ کوٹ کروڑ پر حکمرانی بھی کرتے رہے۔ حضرت غوث العالم بہاؤ الدین ذکریاؒ ملتانی کے والد ماجد حضرت شیخ وجیہہ الدین محمد غوثؒ آپ کے چھوٹے بھائی تھے۔ حضرت شیخ محمد موسیٰ قریشیؒ کے پردادا حضرت سلطان جلال الدینؒ نے چالیس سال کوٹ کروڑ پر بڑی کامرانی سے حکمرانی کی اور اس کے ساتھ آپ کے باطنی کمال کا یہ حال تھا کہ ہر روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوتے آپ کے بعد آپ کے فرزند حضرت سلطان ابو بکرؒ تخت نشین ہوئے۔ آپ بھی جید عالم اور شیخ طریقت تھے۔ (۳)

آپ نے پانچ سال کی عمر میں مشہور عالم دین مولانا نصیر الدین بلخیؒ سے تعلیم حاصل کرنا شروع کی اور علوم ظاہری کی تکمیل کے بعد ملتان تشریف لے آئے۔ یہاں آپ کے چچا زاد بھائی حضرت غوث العالم بہاؤ الدین زکریا ملتانیؒ، حضرت شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین عمر سہروردیؒ سے فیوض و برکات حاصل کر کے تشریف لائے تھے اور ملتان کو رشد و ہدایت کا مرکز بنا دیا تھا۔ دور دور سے طالبین راہ سلوک آپ کی خدمت میں حاضر ہو رہے تھے۔ حضرت مخدوم سید جلال الدین سرخ بخاریؒ، حضرت لعل شہباز قلندر مروندیؒ، حضرت مخدوم حمید الدین حاکمؒ، جیسے بلند پرواز شہباز کو اس آستانہ عالیہ کی کشش یہاں کھینچ لائی تھی۔ چنانچہ حضرت شیخ محمد موسیٰ قریشیؒ بھی حضرت غوث العالمؒ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوئے اور آپ کے دست مبارک پر بیعت ہو کر راہ سلوک پر گامزن ہوئے اور بڑے سخت مجاہدے کئے۔ سفر و حضر میں شیخ کے ساتھ رہے۔

تکمیل سلوک کے بعد حضرت غوث العالمؒ نے آپ کو خرقۂ خلافت عنایت فرمایا اور فرمایا۔ " ولائیت سندھ بتو بخشیدم (ہم نے آپ کو سندھ کی ولائیت عنایت فرمائی) حضرت غوث العالمؒ نے آپ کو تبلیغ اسلام کے لئے سندھ روانہ کیا اور یہ خطہ آپ کے دم قدم کی بدولت نور عرفاں سے جگمگا اٹھا۔

حضرت شیخ محمد موسیٰ نوابؒ ملتان سے روانہ ہو کر سب سے پہلے اُوچ میں وارد ہوئے۔

یہاں دو راجپوت قبیلے آپ کے دست مبارک پر مسلمان ہوئے۔ (۴) مابعد سنجر پور کے قریب قلعہ سرواہی (سیوراہی) تشریف لائے اور یہاں اپنا مسکن بنایا۔ اس قلعہ سے تھوڑے فاصلے پر دریائے سندھ بہتا تھا۔ آپ کی آمد سے قبل حضرت غوث الثقلین شیخ عبدالقادر گیلانی قدس سرہٗ کے خالہ زاد بھائی حضرت شیخ احمد الاکرم گیلانیؒ تبلیغ اسلام کے سلسلہ میں یہاں تشریف لائے۔ اس زمانے میں اس قلعہ پر راجہ سول کی حکومت تھی۔ آپ کا مزار اس قلعہ سے تھوڑے سے فاصلہ پر مرجع خلائق ہے۔

(اس قلعہ کے مسخ شدہ آثار تا ہنوز باقی ہیں)۔ (۵)

حضرت شیخ محمد موسیٰ نواب قریشیؒ نے جن دنوں یہاں اپنا رشد و ہدایت کا مرکز قائم کیا یہ علاقہ کفرستان بنا ہوا تھا۔ اور ان لوگوں کو مذہب اسلام سے دور کا بھی واسطہ نہ تھا۔ حضرت نے اس ظلمت کدہ میں قال اللہ و قال الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز بلند کی اور بے شمار قبائل کو مشرف بہ اسلام کیا۔ جن میں انڈھڑ، ڈاہر، چاچڑ، شر، ولانہ، گویانگ، بھارو، بلوچ، اور راجپوت قبائل زیادہ مشہور ہیں۔ انڈھڑ قوم نے آپ سے سب سے زیادہ فیضان حاصل کیا۔ طالبین حق کی راہنمائی اور انہیں تبلیغی کوششوں سے متاثر ہو کر حضرت غوث العالم بہاؤ الدین زکریاؒ نے آپ کو نواب الاولیاء کا لقب عطا فرمایا۔

حضرت غوث العالم بہاؤ الدین ذکریا ملتانیؒ جب بھی سندھ کا دورہ فرماتے تو اپنے احباب حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ، حضرت مخدوم سید جلال الدین سرخ بخاریؒ، حضرت لعل شہباز قلندر مروندیؒ، کے ساتھ آپ کے ہاں قیام فرماتے۔ ان بزرگوں کی یادگار مسجد چہار یار اب بھی اس مقام پر موجود ہے۔ میر حسان الحیدری نے اپنی مثنوی اعجاز مسیحا میں اس خطہ میں آپ کے فیضان کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے:

اے دیار اولیاء فخر البلاد ــــ سیوراہی خطۂ مینو سواد
عرصہ تو مہبط افسر شتگان ــــ کاملان عصر در خاکت نہان
آں یکے فخر جہاں عالی جناب ــــ پیشوائے اولیاء موسیٰ نوابؒ
خاک سندھ از نور او تابندہ شد ــــ مردہ دلہا از قم او زندہ شد (۶)

آپ نے ۲۵۔ ذوالحجہ ۶۶۷ھ شب جمعہ وصال فرمایا۔ (۷) آپ کا مزار مبارک آپ کے خلفاء نے تعمیر کرایا۔ پھر حضرت محمد جامی سندھی سہروردیؒ نے اس کی دوبارہ تعمیر و مرمت وغیرہ

کروائی اور مسجد کے سامنے ایک مسجد شریف بنوائی۔ جس کی ہر اینٹ پر صلوٰۃ تنجینا شریف کا ختم پڑھا جاتا تھا۔ (۸) پھر رئیس محمد غازی خاں مرحوم نے مقبرہ کی مرمت کروائی اور مسافروں کی رہائش کے لئے کمرے اور لنگر خانہ بھی بنا دیا جو تا ہنوز جاری ہے۔ حضرت نواب الاولیاءؒ نے اپنے پیچھے ایسے باکمال خلفاء چھوڑے۔ جن سے سلسلۂ سہروردیہ کی خوب نشر و اشاعت ہوئی۔ آپ کے خلفاء میں حضرت سید شیخ محمد سہروردی جو انڈھڑ قوم سے تعلق رکھتے تھے اور دوسرے حضرت محمد سلطان مبارک بھارہ سہروردیؒ، جو بھارہ قوم سے تھے، زیادہ مشہور ہیں۔ حضرت شیخ محمد سہروردیؒ نے سندھ میں اسلام کی خوب تبلیغ کی۔ اللہ تعالےٰ نے آپ کے خاندان کو بہت برکت دی اور اس خاندان میں صاحب علم و عرفان ہستیاں پیدا ہوئیں۔ جن میں شیخ وجیہہ الدین سہروردیؒ، حضرت شیخ ہوندا سلطان سہروردیؒ، حضرت شیخ خضر سلطان سہروردیؒ حضرت خواجہ محمد دائم سلطان سہروردیؒ، حضرت شیخ محمد حسین شہید سہروردیؒ، حضرت شیخ محمد شتیم سہروردیؒ، حضرت شیخ محمد جامی سندھی سہروردیؒ، حضرت شیخ محکم الدین سیرانی سندھی سہروردیؒ، حضرت مولانا میاں عابد حسین سہروردیؒ زیادہ مشہور ہیں۔ جن سے سندھ میں سلسلہ سہروردیہ کو فروغ حاصل ہوا اور ان مشائخ کی خانقاہیں اب بھی موجود ہیں اور مصروف رشد و ہدایت ہیں۔ (۹)

حوالہ و حواشی

۱۔ منبع البرکات، اردو ترجمہ ص ۱۹، مترجم سید فرزند علی شاہ، میرپوری مطبوعہ بہاولپور ۱۹۱۵ء)

منبع البرکات فارسی، قلمی مخطوطہ، کتب خانہ شخصی سید مشتاق احمد شاہ صاحب میناپوری لاہور۔

۲۔ خلاصۃ العارفین ص۱۲۷، مصحح بانو ڈاکٹر شمیم محمود زیدی، مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان اسلام آباد۔

تذکرہ حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانیؒ ص۲۵، مولانا نور احمد خاں فریدی، علماء اکیڈمی لاہور۔

۳۔ منبع البرکات، صہ ۱۹۔ ۲۰۔

۴۔ آب کوثر، شیخ محمد اکرام مرحوم۔ تذکرہ سہروردیہ صہ ۲۶۔ الفقر و فخری صہ ۱۰۹، خواجہ ابوالفیض سید قلندر علی سہروردیؒ (مجلس سہروردیہ لاہور)

۵۔ دیکھئے وادی ہاکڑہ اور اس کے آثار، صدیق طاہر صاحب، (اردو اکیڈمی بہاولپور)

۶۔ تذکرہ صدر الدین عارف، جلد اوّل صہ ۵۷۔ مولانا نور احمد خاں فریدی۔

۷۔ شجرۂ سہروردیہ صہ ۹، عاشق محمد جلال پوری۔

عاشق محمد جلال پوری نے آپ کا سن وصال ۲۵ ذوالحجہ ۶۶۰ھ تحریر کیا ہے۔ مولانا نور احمد خاں فریدی صاحب نے ۲۸۔ ذوالحجہ ۶۶۷ھ تحریر کیا ہے دیکھئے تذکرہ صدر الدین عارف جلد اوّل صہ ۱۵۹ لیکن حضرت کا عرس ۲۵، ذوالحجہ کو ہوتا ہے۔ مزار مبارک سنجر پور شہر کے قریب واقع ہے۔

۸۔ حضرت محمد جامی سہروردیؒ کا مزار مبارک قصبۂ جامی، شکار پور، سندھ میں مرجعِ خلائق ہے۔ حضرت محمد موسیٰ نواب سہروردیؒ کے مزار مبارک کی دوبارہ تعمیر و توسیع آپ نے کروائی۔ چنانچہ عالم رویا میں حضرتؒ نے حضرت جامیؒ سے فرمایا۔ اے جامیؒ تو نے میرا مزار تعمیر کروایا ہے۔ ہم نے تیرے نام کا قُبّہ منظور کر دیا ہے۔ چنانچہ پورے سندھ میں حضرت جامیؒ کا مزار قُبّۂ جامی کے نام سے مشہور ہے۔

۹۔ ان تمام مشائخ کے مزارات چچڑوہ شریف نزد پنوعاقل مرجعِ خلائق ہیں۔ حضرت قبلہ الحاج میاں خداوند بخش صاحب سہروردی سجادہ نشیں ہیں جو بقیۃ السلف کی زندہ نشانی ہیں۔ تذکرہ مشائخ سہروردیہ، غیر مطبوعہ، محمد نعیم طاہر سہروردی۔

۱۰۔ حضرت محمد سلطان مبارک بھارہ کی خانقاہ سنجر پور شہر سے ۲۵۔ میل بطرف جنوب مغرب واقع ہے۔

* ڈاکٹر شریف حسین قاسمی

دہلی کے مقتول مشائخ

(دَورِ سلطنت)

ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد کے بعد دہلی کو ہر لحاظ سے مرکزیت حاصل رہی ہے۔ یہ ہندوستان کا پایۂ تخت رہی، اس لئے حضرت دہلی کہلائی۔ یہاں علماء، فضلاء و مشائخ کبار کا اجتماع رہا۔ اس بناء پر اسے قبلۃ الاسلام کے نام سے پکارا گیا۔ شاہ عبدالعزیز دہلوی کے بقول دہلی کبھی اولیاء اللہ کے مبارک و مقدس وجود سے خالی نہیں رہی۔ شاہ صاحب مزید فرماتے ہیں کہ خود محمد شاہ کے زمانے (۱۱۳۱ھ/ ۱۷۱۹ء تا ۱۱۶۱ھ/ ۱۷۴۸ء) میں دہلی میں بائیس صاحب ارشاد بزرگ موجود تھے (۱) یاد رہے کہ یہ دور ہر لحاظ سے زوال و ابتری کا دور تھا۔

منگولوں کے وحشیانہ حملوں اور قتل و غارت گری نے اسلامی دنیا کے ایک بڑے حصّے میں زندگی دوبھر کر دی تھی۔ حتٰی کہ اطمینان و سکون کا ایک سانس لینا بھی دشوار ہو گیا تھا۔ اس لئے مملوک سلاطین کے عہد سلطنت اور خاص طور پر سلطان شمس الدین ایلتمش کے زمانے (۶۰۷ھ/ ۱۲۱۱ء تا ۶۳۳ھ/ ۱۲۳۶ء) میں دہلی کو علماء، فضلاء و مشائخ اکرام نے اپنی رہائش و سکونت کے لئے مناسب ترین مقام سمجھا۔ اسی وجہ سے مختلف ممالک سے ان کی بہت بڑی تعداد بقول عصامی اس طرح دہلی میں جمع ہو گئی، جیسے شمع کے گرد پروانے: (۲)

دران شہر فرخندہ جمع آمدند   چو پروانہ بر نور شمع آمدند

یا بقول خسرو دہلوی، دہلی کے ہر گلی کوچے میں علماء و صلحاء کو بڑی تعداد میں دیکھا جا سکتا تھا۔

برسر ہر کو ز بزرگان صفی   در رف ہر خانہ تہان افرقی

لیکن کچھ ہی عرصہ گزرا کہ حالات نے کروٹ لی۔ بادشاہوں اور ان کی درباری مصلحتوں نے مشائخ کبار کے خلاف درباری علماء نے، علماء کے خلاف خود علماء اور صوفیائے عظام نے اور شریعت

---

* شعبۂ فارسی، دہلی یونیورسٹی، دہلی۔

کے سلسلے میں موشگافیوں نے دہلی کو ان سب حضرات کے لئے امتحان و آزمائش کا مقام بنا دیا
اس امتحان و آزمائش سے اکثر مشائخ و علمائے دین کو چار و ناچار گزرنا پڑا۔ کچھ حضرات اس
وادیٔ پرخطر سے زندہ و سلامت عبور کر گئے اور چند ایسے بھی تھے، جنھیں اپنی زندگیوں سے
ہاتھ دھونے پڑے۔

"افسوس! عشاق حق کے ساتھ ہمیشہ یہی ہوا اور اعدائے حق و اصلاح کے ہاتھوں کبھی
ان کو امن کی گھڑیاں نصیب نہ ہوئیں۔ یہی ہوتا رہا ہے اور شاید ایسا ہی ہوتا رہے گا۔ دشمنان
حق نے اگر ان کی جانوں کو سب سے بڑی چیز سمجھ کر لینا چاہا تو انہوں نے بھی اپنی جان کو دنیا
کی ساری چیزوں میں سب سے زیادہ ہیچ اور ادنیٰ سمجھا" (۳) اور اسے بلا تامل راہ حق و جستجوی
صداقت میں پیش کیا۔

اس وقت ایسے ہی چند صوفیا اور مشائخ کا ذکر کیا جائے گا جو دوسروں کی مصلحت کوشی
اور خود غرضی کا شکار ہو گئے اور یا جنھوں نے اپنے اعمال و افکار کی اپنی جان سے قیمت ادا
کی۔ افسوس اس بات کا ہے کہ دستیاب مآخذان حضرات کی زندگی اور افکار و عقائد پر تفصیل
سے روشنی نہیں ڈالتے۔ صرف یہی نہیں بلکہ ستم بالائے ستم یہ کہ جو کچھ اطلاعات یہ مآخذ بہم پہنچاتے
ہیں۔ ان میں اختلاف پایا جاتا ہے اور بعض اوقات یہ اطلاعات متضاد بھی نظر آتی ہیں۔ قبلاً
عرض کیا گیا کہ بعض علمائے دربار حُبّ جاہ میں گرفتار ہو کر ایسے مشائخ و علماء کے خلاف ریشہ دوانیوں
میں مصروف رہتے تھے جو ان کی کوتاہیوں اور خود غرضانہ طرز زندگی پر تنقید کرتے رہتے تھے۔
یا عوام الناس اور حکمران طبقے کو ان کی ناعاقبت اندیشی سے پیدا ہونے والی نازیبا اور غیر شرعی
صورت حال سے آگاہ کرتے رہتے تھے۔ ایسے ہی علماء کو سلطان رضیہ کے دور (۶۳۴ھ/۱۲۳۶ء
تا ۶۳۸ھ/۱۲۴۱ء) میں مولانا نور ترک نے ناصبی اور مرجی کہا۔ (۴)

بعد میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی: ۱۰۵۲ھ/۱۶۴۲ء) نے ایسے ہی علماء کو فقہان
ناخدا ترس و حیلہ اندوز، کا نام دیا۔ (۵) اس قسم کے علماء میں قاضی منہاج السراج، شیخ الاسلام،
نجم الدین صغریٰ وغیرہ شامل تھے۔ (۶)

درباری علماء نے علمائے حق کے خلاف کس قسم کا معاندانہ رویّہ اپنایا اور انہیں بدنام کرنے
کرنے کی کیسی مذموم کوششیں کیں۔ ان کا علم درج ذیل واقعے سے لگایا جا سکتا ہے۔

قاضی منہاج سراج مولانا نور ترک کے بارے میں لکھتے ہیں کہ سلطان رضیہ کو ان سے

بڑی عقیدت تھی۔ وہ ان کی خدمت میں روپلے پیسے بھی نذر کرتی تھی۔ ملکۂ ہندوستان کا یہ نذرانہ ایک بار کپڑے میں باندھ کر مولانا کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ مولانا نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ ہاتھ کی چھڑی اس پر حقارت سے ماری اور کہا: "اسے میرے سامنے سے لے جاؤ۔" (۷)

مولانا نور ترک کے بارے میں سلطان رضیہ کی اس عقیدت مندی کا اظہار کرنے کے بعد قاضی منہاج السراج نے آپ کے متعلق ایک خوفناک و دہشتناک واقعہ بیان کیا ہے جو علماء کے آپس کے اختلافات اور معاصرانہ رقابت کا آئینہ دار ہے۔ یہ واقعہ بیان کرنے سے قبل یہ بتا دینا ضروری ہے کہ منہاج السراج سلطان رضیہ کے معاصر ہیں۔ مولانا نور ترک کے بارے میں جو کچھ لکھ رہے ہیں۔ وہ سنی سنائی بات نہیں بلکہ خود ان کا چشم دید بیان ہونا چاہیئے۔ اس طرح منہاج سراج کوئی معمولی انسان نہیں۔ محض درباری مؤرخ بھی نہیں۔ وہ ایک عالم دین ہیں۔ قاضی ہیں' بادشاہ سے خائف یا درباری شان و شوکت سے مرعوب بھی نہیں (۸) یہ واعظ بھی تھے۔ آپ کا وعظ بہت پُرتاثیر ہوتا تھا۔ جس میں معاصر علماء و فضلا و مشائخ احترام کے ساتھ شرکت کرتے تھے حضرت نظام الدین اولیاءؒ (متوفی: ۷۲۵ھ/۱۳۲۵ء) ہر دو شنبے کو ان کا وعظ سننے جامع مسجد جایا کرتے تھے۔ حضرت محبوب الٰہی نے آپ کے وعظ اور اس کی زبردست تاثیر کے بارے میں فرمایا کہ:

چہ راحت بود در تذکیر او (ان کے وعظ میں کس قدر راحت و سکون کا احساس ہوتا تھا)

منہاج السراج نے دوران وعظ ایک بار یہ رباعی پڑھی:

لب بر لب لعل دلبران خوش کردن
وآہنگ سر زلف مشوش کردن
امروز خوش است لیک فردا خوش نیست
خود راہ بہ چو خسی طعمۂ آتش کردن

(دلبروں کے لب لعل سے اپنے ہونٹوں کو لطف اندوز ہونے کا موقع دینا، ان کی پریشان زلفوں سے کھیلنے کا ارادہ کرنا، یہ سب آج اچھا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن آنے والا کل اس کے برخلاف ہوگا۔ چونکہ ایسا کرنے سے ہم خود کو آگ میں جلنے کے لئے خس و خاشاک بنا رہے ہیں۔)

حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ یہ رباعی سن کر مجھ پر کیفیت و وجد طاری ہوگیا۔ (۹) وعظ کہنے کے لئے خود منہاج السراج بعض شرائط کی پابندی کرتے تھے۔ وعظ کہنے سے پہلے وہ جن امور کو ملحوظ رکھتے تھے۔ اس کے بارے میں صاحب سرور الصدور کا بیان ہے کہ وہ کہا کرتے تھے کہ:

من با این ہمہ کہ در تذکیر چنین سر آمدہ و عالمم، اما تا سہ چیز بر خویش راست نکنم، ہرگز پای بر منبر نہ نہم۔ یکی نعت، دوم تسمیہ، سوم تبکیہ۔ (۱۰)

اس کے باوجود کہ میں وعظ و تذکیر میں معروف اور عالم ہوں، لیکن جب تک تین چیزوں کو خود پر لازم نہیں کر لیتا، اس وقت تک ہرگز منبر پر نہیں جاتا۔ پہلی نعت رسولؐ، دوسری خدا کا نام لینا اور تیسرے اپنے نفس پر غالب آجانا۔

ایسا شخص مولانا نور ترک کے بارے میں لکھتا ہے:

عہد سلطان رضیہ کے اوائل میں ایک زبردست حادثہ رونما ہوا۔ ہندوستان کے قرامطہ و ملاحدہ نے ایک دانشمند نما شخص کی سرکردگی میں بغاوت کی ٹھانی۔ اس شخص کا نام نور ترک تھا تمام ہندوستان مثلاً گجرات، سندھ، دہلی کے نواحی علاقوں اور گنگا و جمنا کے ساحل سے لوگ دہلی میں جمع ہوئے۔ ان سب لوگوں نے نور ترک سے خاموشی کے ساتھ بغاوت کی بیعت کی۔ یہ نور ترک وعظ کہتے تھے اور اوباش طبیعت لوگ ان کو گھیرے رہتے تھے۔ یہ اہلسنت کو ناصبی اور مرجی کہتے۔ اس کے علاوہ نور ترک عوام کو حنفی اور شافعی علماء کی دشمنی پر اکساتے تھے ان لوگوں نے بغاوت کے لئے ایک دن مقرر کر لیا اور جمعہ، رجب کی چھٹی تاریخ سنہ ۶۳۴ھ/ ۶۔ مارچ ۱۲۳۷ء کے مقررہ دن ایک ہزار لوگ تیر، سپر، تلوار اور دوسرے اسلحہ سے لیس ہو کر ایک فوج کی شکل میں جامع مسجد دہلی پر پہنچ گئے۔ (۱۱) ان لوگوں نے مسلمانوں کو دونوں طرف سے گھیر کر قتل کرنا شروع کر دیا۔ بہت سے لوگ مارے گئے۔ کچھ ان باغیوں کی تلواروں سے اور کچھ بھگدڑ میں لوگوں کے پیروں تلے کچلے جانے سے جاں بحق ہوئے۔ اس ناگہانی حملے کی وجہ سے جب شور و فغاں بلند ہوئی، تو شاہی فوج کے کچھ جیالے، جن میں نصیر الدین ایتمر بلارامی اور امیر ناصری شاعر کے علاوہ چند دوسرے مسلح لوگ شامل تھے۔ مسجد کے مینار کی جانب سے ان بلوائیوں کا حملہ روکنے نکلے۔ دوسری طرف، جامع مسجد کی چھت پر جو لوگ موجود تھے انہوں نے ان حملہ آوروں پر پتھر اور اینٹیں برسائیں اور قرامطہ و ملاحدہ کے حملہ آور گروہ کو دوزخ رسید کیا۔ (۱۲)

منہاج سراج کے بیان سے یہ واضح نہیں ہوتا کہ مولانا نور ترک پر اس واقعہ کے دوران یا اس کے بعد کیا بیتی۔ بہرحال اس واقعہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ سب کچھ ایک سیاسی ہنگامہ تھا نور ترک نے بغاوت کی، حکومت وقت کو شکست دے کر بادشاہ بننے کا خواب دیکھا یا حاکم وقت کو بدلنے کا عزم کیا۔

منہاج سراج کے بعد تغلق دور میں عصامی نے اپنی فتوح السلاطین میں اسی واقعہ کو نظم کیا ہے۔ (۱۳) عصامی کی بیشتر تفصیلات منہاج سراج کے بیانات کے مطابق ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ عصامی نے اس واقعہ کے ضمن میں مولانا نور ترک کا نام نہیں لیا اور اسی طرح اس واقعہ کو سلطان رضیہ کے ابتدائی دور کے بجائے ایلتمش کے زمانۂ حکومت کا واقعہ بتایا ہے۔ یہ غالباً عصامی کا اشتباہ ہے۔

منہاج سراج کی طبقات ناصری اور عصامی کی فتوح السلاطین کے درمیانی زمانے میں حضرت شیخ نظام الدین اولیاؒ کے معتبر ترین ملفوظات فوائد الفواد کو حسن سنجری دہلوی (متوفی: ۷۳۸ھ/۱۳۳۷ء) نے مرتب کیا ہے۔ حضرت خواجہ صاحب نے مولانا نور ترک کے بارے میں جو کچھ فرمایا ہے۔ اس کی بنیاد پر مولانا نور ترک کی شخصیت و منصب کا مکمل طور پر ایک مختلف تاثر پیدا ہوتا ہے۔ خواجہ صاحب کے بیانات سے اس حقیقت کا علم بھی ہو جاتا ہے کہ مولانا نور ترک کے بارے میں منہاج سراج اور عصامی کی اطلاعات محض بہتان و الزام تراشی سے زیادہ کچھ نہیں مولانا نور ترک نے چونکہ قاضی منہاج سراج جیسے درباری علماء کو ناصبی اور مرجی کہا تھا۔ اس لئے ان کے بارے میں حکومت وقت کے خلاف بغاوت کرنے کی داستان گھڑلی گئی اور ایک درباری عالم و قاضی نے حکومت و عوام کی نظر میں ان کی شخصیت کو مجروح اور مشتبہ کرنے کی کوشش کی۔

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ نے مولانا نور ترک کے بارے میں جو اطلاعات بہم پہنچائی ہیں۔ ان پر ایک نگاہ ڈالی جانی چاہیئے۔ مرتب فوائد الفواد حسن سنجری دہلویؒ نے منہاج سراج کی طبقات ناصری کے حوالے سے حضرت خواجہ سے دریافت کیا کہ بعض علماء مولانا نور ترک کے بارے میں کچھ باتیں کرتے ہیں۔ (ظاہر ہے حسن دہلوی کے ذہن میں طبقات ناصری میں مولانا نور ترک کے خلاف بیان شدہ تمام واقعات ہوں گے) آپ نے فرمایا: یہ باتیں درست نہیں ہیں۔ مولانا نور ترک آسمان سے برسنے والے پانی سے زیادہ پاکیزہ تھے۔ حسن دہلویؒ نے پھر یاد دلایا کہ طبقاتِ ناصری میں لکھا ہے کہ علماء شریعت ان کو ناصبی اور مرجی کہتے تھے۔ حضرت خواجہ نے جواب دیا کہ علمائے شہر کو مولانا نور ترک

اس وجہ سے ناپسند کرتے تھے کہ وہ ان کو دنیا کی آلودگیوں میں مبتلا دیکھتے تھے۔ اس کے جواب میں علماء نے یہ سب چیزیں ان کی طرف منسوب کر دیں۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ مولانا نور ترک کی بات میں بڑی تاثیر تھی مگر انہوں نے کسی کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی۔ وہ جو کچھ کہتے تھے، اپنی قوت علم اور قوت مجاہدے کی بنا پر کہتے تھے۔

ان کا ایک غلام تھا جو انہیں روزانہ ایک درہم دیتا تھا۔ اسی درہم پر ان کی گزر اوقات تھی مولانا نور ترک ایک مرتبہ ہانسی گئے۔ وہاں وعظ کہا۔ شیخ الاسلام بابا فریدؒ نے فرمایا کہ میں کئی مرتبہ ان کا وعظ سن چکا ہوں۔ جب وہ ہانسی پہنچے اور وعظ شروع کیا تو میں عین اسی وقت ان کا وعظ سننے پہنچا۔ میرے کپڑے میلے اور پھٹے ہوئے تھے۔ اس سے قبل میری ان سے ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ جوں ہی میں مسجد میں داخل ہوا۔ ان کی نگاہ مجھ پر پڑی۔ انہوں نے اپنا سلسلہ کلام شروع کیا اور فرمایا: اے مسلمانو! بات کو پرکھنے والا آگیا۔ اس کے بعد میری اتنی تعریف کی کہ کسی بادشاہ کی بھی اتنی تعریف نہیں ہوگی۔

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ نے مولانا نور ترک کے بارے میں ایک حکایت مزید بیان کی ہے۔ آپ نے فرمایا، جب مولانا نور ترک مکہ معظمہ چلے گئے تو وہاں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ اس سرزمین (ہندوستان) سے ایک شخص مکہ معظمہ گیا اور ان کے لئے دو من چاول ہمراہ لے گیا۔ انہوں نے چاول قبول کر لئے اور اس شخص کو دعا دی۔ اس شخص کے دل میں خیال آیا کہ یہ وہی بزرگ ہیں۔ جنہوں نے دہلی میں سلطان رضیہ کی گرانقدر نذر لینے سے انکار کر دیا تھا اور آج وہ تھوڑی سی مقدار میں چاول قبول کرنے سے گریز نہیں کر رہے۔ مولانا نور ترک نے اس سے کہا، صاحب تم کتے میں بیٹھ کر دہلی کا خیال ذہن میں نہ لاؤ۔ ان دنوں میں جوان تھا۔ وہ قوت اور تیزی اب کہاں۔ اب تو میں بوڑھا ہو گیا ہوں اور پھر اس جگہ اناج کمیاب بھی ہے۔ منہاج سراج اعصامی اور حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے بیانات کا اگر عمق نظر سے مطالعہ اور تجزیہ کیا جائے تو بہ آسانی یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ معاصر درباری علماء نے مولانا نور ترک کی اپنے خلاف تنقید کو برداشت نہیں کیا۔ ان کے اعتراضات سے برافروختہ ہو کر ان کے خلاف اتہامات لگائے۔ ان کے حامیوں کو زدوکوب اور غالباً مولانا نور ترک کو ترک وطن اور ہندوستان سے ہجرت پر مجبور کر دیا۔

مولانا نور ترک کے ساتھ جو معاملہ پیش آیا۔ وہ اس عجیب و غریب صورت حال کا ترجمان ہے کہ علمائے دربار و حکومت جو کچھ کرتے ہیں، بادشاہ وقت کے نام سے کرتے ہیں۔ بلکہ ان کی

مخالفت گویا حکومت وقت کی بغاوت ہوتی ہے۔ مولانا نورترک کے واقعہ کو بیان کرنے سے ہمارا مقصد یہ ظاہر کرنا ہے کہ جس دور کے مقتول مشائخ و علماء کا ذکر ہم کرنے جارہے ہیں۔ ان کے بارے میں تواریخ، ملفوظات اور دیگر مآخذ میں ضد و نقیض نوعیت کے بیانات بھی ملتے ہیں۔ ان بیانات میں مورخین و مصنفین کے اپنے سیاسی، سماجی اور مذہبی رجحانات و تعصبات کارفرما ہیں۔ اس لئے ان کا تجزیہ مشکل اور ان سے اخذ نتائج میں نہایت احتیاط درکار ہے۔

قطب الدین ایبک (متوفی: ۶۰۷ھ/ ۱۱-۱۲۱۰ء) ایلتمش اور اس کی جانشین سلطان رضیہ کے دور میں دہلی میں غالباً کسی شیخ، صوفی یا عالم دین کی مذہب، عقائد یا نظریاتی اختلاف کی بنیاد پر جان نہیں لی گئی۔ علماء و مشائخ کے خلاف صدائے احتجاج ضرور بلند ہوئی۔ محضرنامے بیشک طلب کئے گئے۔ دربار میں اختلافی امور پر بحث و مباحثے یقیناً ہوئے اور اسی قسم کے دوسرے واقعات بھی رونما ہوئے لیکن سرزمین دہلی کسی صوفی اور شیخ کے حق یا ناحق خون سے رنگی نہیں گئی۔ مذہب کے سلسلے میں ملوک سلاطین کا متوازن رویّہ اور معقول لائحہ عمل کسی بھی ناخوشگوار واقعہ کے رونما ہونے میں مانع رہا۔ مولانا نورترک کا واقعہ علمائے وقت کے درمیان اختلاف نظر کا نتیجہ تھا جو سلطان رضیہ کے دور سلطنت میں پیش آیا۔

سلطان رضیہ کے بھائی اور ایلتمش کے لڑکے معز الدین بہرام شاہ کے عہد میں ایک عابد و زاہد شخص اور ایک عالم دین کے درمیان اختلافات کا پتہ چلتا ہے۔ ان اختلافات اور معز الدین بہرام شاہ کے انتہاپسندانہ اور جانب دارانہ رویّے کی وجہ سے ایک عالم دین کو اپنی جان سے ہاتھ دھونے پڑے تھے۔

معز الدین بہرام شاہ ۶۳۷ھ/ ۱۲۴۰ء میں تخت نشین ہوا۔ بادشاہ کو دہلی کے ایک درویش ایوب سے عقیدت پیدا ہو گئی۔ ایوب ایک عابد و زاہد شخص تھا۔ قصر حوض سلطانی پر اعتکاف میں بیٹھا رہتا تھا۔ جب سلطان وقت سے اس کے تعلقات بڑھے تو ایوب نے محض عبادت و ریاضت کے میدان خارزار سے قدم باہر نکالا اور کارہائے ملکی میں مداخلت شروع کردی۔ اس نے قاضی شمس الدین مہر کو ہاتھی کے پیروں تلے کچلوادیا۔ (۱۵)

طبقات ناصری میں اس واقعہ کی مزید تفصیل نہیں ملتی لیکن بہرحال یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ قاضی شمس الدین مہر نے بادشاہ اور حکومت وقت پر ایوب کے بڑھتے ہوئے اثرات اور امور مملکت و مذہب میں اس کی دخل اندازی کو ناپسند کیا ہوگا۔ ایوب نے قاضی مہر کے اس ردعمل کو

برداشت نہیں کیا ہوگا اور بادشاہ پر اپنا اثر و رسوخ استعمال کرکے قاضی صاحب کو موت کے گھاٹ اتروا دیا ہوگا اور اس طرح اپنے عزائم کی تکمیل کے لئے راستہ ہموار کر لیا ہوگا۔

مولانا ابو الکلام آزاد کے الفاظ میں "لیکن سبحان اللہ! مکافات و مجازات عمل کا قانون الٰہی کس طرح اس دنیا میں ہی اپنا کام انجام دے رہا ہے اور آخرت کی منزل ابھی باقی ہے۔

(۱۶) قاضی صاحب کے قتل سے عوام میں سلطان اور ایوب دونوں کے خلاف جذبات مشتعل ہوگئے امراء کی سازشوں نے بہرام کے خلاف ایسی صورت حال پیدا کر دی کہ وہ زیادہ عرصے تخت پر نہ رہ سکا اور تقریباً دو برس حکومت کرنے کے بعد ۶۳۹ھ/ ۱۲۴۲ء میں قتل کر دیا گیا۔

یہ غالباً پہلا اور آخری قتل ہے جو مملوک بادشاہوں کے دور حکومت میں مذہب کے نام پر کیا گیا اور ایک عالم دین، ایک صوفی خام کے وسوسوں اور حکومت پر اثر و رسوخ کا شکار ہوئے مملوک سلاطین کے بعد خلجیوں کا دور حکومت آیا۔ جلال الدین خلجی کے عہد سلطنت میں ایک دوسرے عابد و زاہد درویش سیدی مولہؒ کا قتل ہوتا ہے۔ (۱۷) اور اس کے بعد دہلی میں اس نوعیت کی قتل و غارت گری کا ڈرامہ مختلف ادوار میں کئی مرتبہ دہرایا گیا۔

سیدی مولہؒ ایک عابد و متقی بزرگ تھے۔ دہلی آتے ہوئے چند روز اجودھن میں حضرت بابا فریدؒ کے مہمان رہے تھے۔ برنی کے بقول وہ ولائیت ملک بالا سے ہندوستان آئے تھے۔ بلبن کے عہد سلطنت میں دہلی آئے اور مستقل سکونت پذیر ہوگئے۔ بلبن کے بعد کیقباد (متوفی: ۶۸۹ھ/ ۱۲۹۰ء) کے زمانہ حکومت میں سیدی مولہؒ نے دہلی میں ایک خانقاہ قائم کی۔ اس خانقاہ میں بڑی تعداد میں درویش اور فقراء جمع رہتے۔ دو ہزار من میدہ، پانچ سو من گوشت اور اسی اندازے سے شکر اور دوسری چیزیں لنگر میں روزانہ استعمال میں آتی تھیں۔ جس قسم کا کھانا سیدی مولہؒ کی خانقاہ میں تقسیم کیا جاتا تھا۔ ویسا امراء و ملوک کو بھی میسر نہ تھا۔ سیدی مولہؒ کی عادات و اطوار سے متعلق دلچسپ بات یہ ہے کہ وہ نماز پڑھتے تھے لیکن نماز باجماعت کے پابند نہیں تھے۔ جمعہ کی نماز میں بھی ان کی شرکت لازمی نہیں تھی۔ البتہ وہ ریاضت و عبادت اور مجاہدے میں غلو کیا کرتے تھے۔ ایک چادر اوڑھے خانقاہ میں بیٹھے رہتے۔ دوسروں کے لئے بہترین کھانا خانقاہ میں مہیا رہتا لیکن وہ خود نہائیت معمولی قسم کی غذا پر اکتفا کرتے۔ کوئی کنیز یا مددگار بھی ان کے لئے متعین نہیں تھا زندگی خود ان کے لئے نہائیت سادہ اور بے تکلف تھی۔ دوسروں کے لئے وہ زحمت اٹھاتے اور ان کی خاطر مدارات کرتے۔ جس کی مالی مدد کرنا ہوتی۔ اس سے کہتے کہ فلاں فلاں طاق میں یا فلاں فلاں مقام پر اینٹ

کے نیچے روپے موجود ہیں ۔ وہ نکال لو اپنی ضروریات پوری کر لو ۔ مدد کے طالب کو بتائی ہوئی جگہ سے ایسے چمکدار سکّے ملتے کہ جیسے ابھی ٹکسال سے آئے ہوں ۔ یہ دیکھ کر کچھ لوگ انہیں کیمیا گر یا جادوگر تصور کرتے ۔ (۱۸) بعض یہ گمان کرتے کہ جن یا دیو اُن کے تابع ہیں ۔ (۱۹) حقیقت کیا تھی ۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے ۔ البتہ ان کا خرچ بہت زیادہ تھا اور ذرائع آمدنی نامعلوم ۔ وہ کسی سے فتوح بھی قبول نہیں کرتے تھے ۔ ان کی بزرگی اور زہد و تقویٰ کی شہرت بتدریج بڑھتی گئی ۔ ابن بطوطہ کو سیدی مولہؒ سے ملاقات کی سعادت نصیب ہوئی تھی ۔ ابو عبداللہ المرشدیؒ کی بزرگی اور روحانیت میں بلند مراتب کی تعریف و توصیف کرتے ہوئے وہ سیدی مولہؒ کے بارے میں اطلاع دیتا ہے کہ :

> من در میان کسانی کہ ملاقات کردہ ام ، بجز سیدی مولہؒ ، کہ در ہندوستان اقامت داشت ، کسی مانند شیخ (ابو عبداللہ المرشدی) ندیدہ ام ۔ (۲۰)

(منجملہ ان لوگوں میں ، جن سے میری ملاقات ہوئی ہے ۔ میں نے سوائے سیدی مولہؒ کے جو ہندوستان میں مقیم ہیں ، کسی کو شیخ عبداللہ المرشدی کی مانند نہیں پایا ۔)

مختصر یہ کہ بے شمار امراء و اعیان مملکت بھی ان کے حلقہ ارادت و عقیدت میں شامل ہو گئے ۔ سلطان جلال الدین خلجی کا بڑا لڑکا خانخانان ان کا منہ بولا بیٹا تھا ۔ اور اکثر ان ہی کی خدمت میں حاضر رہتا ۔ معتقدین کے اس جمگھٹے میں ظاہر ہے کہ ہر قسم کے لوگ شامل ہو سکتے تھے ۔ لہٰذا بعض سیاسی اور اغراض کے بندے بھی ان کے عقیدت مندوں میں شامل ہو گئے ۔ ان میں قاضی جلال الدین کاشانی ، ہتھیا پایک اور برنجن تن بھی تھے ۔ یہ لوگ سیدی مولہؒ کی خانقاہ میں رات گئے تک موجود رہتے ۔ قاضی جلال الدین کاشانی معروف قاضی تھے لیکن دل کے بُرے اور مفسد کار ، ہتھیا پایک اور برنجن تن دور بلبن میں مقتدر لوگ تھے لیکن جلال الدین خلجی نے انہیں اپنی سیاسی مصلحتوں کی بناء پر معزول کر دیا تھا ۔ اس طرح چند مفسد اور بادشاہ سے ذاتی پرخاش رکھنے والے بھی اس خانقاہ میں پناہ گزین تھے ۔ ان لوگوں نے بادشاہ کے خلاف سازش کی ۔ طے یہ پایا کہ جب سلطان نماز جمعہ کے لئے قصر سلطانی سے باہر قدم رکھے تو ہتھیا پایک اور برنجن تن اسے قتل کر دیں اور سیدی مولہؒ کو تخت پر بٹھا دیں ۔ سیدی مولہؒ کی خاندانی حیثیت بہتر و مضبوط بنانے کے لئے یہ پروگرام بھی بنایا کہ سلطان ناصر الدین کی لڑکی سے ان کا نکاح کرا دیا جائے اور دہلی میں انہیں خلیفہ بھی مقرر کر دیا جائے ۔ (۲۱) اس سازش میں شامل کسی کانوں کے کچے نے یہ خبر سلطان وقت

کو پہنچا دی۔ سلطان نے سیدی مولہؒ اور ان کے لواحقین کو گرفتار کرالیا اور دربار میں حاضر ہونے کا حکم دے دیا۔ یہ لوگ دربار میں لائے گئے۔ ان سے حالات دریافت کئے گئے۔ تفتیش کی گئی سب نے اس صورت حال کی ذمہ داری سے انکار کر دیا۔ سلطان جلال الدین کا شک و شبہ ختم نہیں ہوا۔ اس نے جنگل میں آگ جلوائی اور تجویز رکھی کہ؛ یہ لوگ آگ پر سے گزریں۔ اگر سچے ہیں تو آگ ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی اور اگر جھوٹے ہیں تو سب جل کر راکھ ہو جائیں گے۔

علماء و مشائخ عصر نے اس طریقۂ سزا کو ناجائز قرار دیا اور یہ دلیل پیش کی کہ آگ بالطبع جلانے والی چیز ہے۔ یہ جھوٹے اور سچے دونوں کو جلا سکتی ہے۔ اس لئے سلطان نے سزا کا یہ طریقہ ترک کر دیا۔ قاضی جلال الدین کاشانی کو بدایوں جلاوطن کیا اور دیگر لوگ ملک کے دور دراز علاقوں میں بھیج دیے گئے۔ سیدی مولہ، جنہیں یہ گروہ اپنا سردار کہتا تھا، آفت سے نجات حاصل نہیں کر سکے۔ ان سے بازپرس کی گئی۔ تحقیقات ہوئیں۔ کوشش کی گئی کہ وہ اقبال جرم کر لیں۔ مگر وہ اپنی بے گناہی پر اصرار کرتے رہے۔ سیدی مولہؒ سے تحقیقات و بازپُرس کے وقت شیخ ابوبکر طوسی حیدری' اپنے چند حیدری درویشوں کے ہمراہ وہاں موجود تھے (۲۲) سلطان نے ان کی طرف رُخ کیا کہا: (۲۳)

"ای درویشاں! انصاف من ازیں مولہ بستانید"۔

(اے درویشو! سیدی مولہؒ سے میرا انصاف کرو)

سلطان کی زبان سے اس جملے کا نکلنا تھا کہ بحری نام کے ایک حیدری قلندر نے سیدی مولہؒ کو بوری سِلنے کے سوئیں سے زخمی کرنا شروع کر دیا۔ ادھر ارکلی خان نے پیل بانوں کو اشارہ کر دیا کہ وہ سیدی مولہؒ کو ہاتھیوں کے پیروں تلے روند ڈالیں۔

مختلف مآخذ میں اس واقعہ کی تفصیلات میں بھی اختلاف نظر آتا ہے۔ عصامی کا کہنا ہے کہ سلطان کی عدم موجودگی میں بعض خرقہ پوشان خام نے، جو سیدی مولہ سے حسد رکھتے تھے، سیدی مولہ کو تہمت لگا کر گرفتار کرادیا۔ ارکلی خان نے ان حاسدین کی درپردہ مدد کی اور سیدی مولہ کو سلطان کی اجازت کے بغیر قتل کرادیا گیا۔ (۲۴)

تاریخ مبارک شاہی میں برنی اور عصامی سے بھی تفصیلات میں اختلاف ملتا ہے یحییٰ سرہندی کے بقول ملک الغو نے سیدی مولہؒ کے خلاف الزام تراشی کی اور انہیں قید کرنے کا مشورہ دیا۔ منصوبے کے تحت جمعہ کے دن محضر طلب کیا گیا۔ اکابر دہلی کو محضر میں شرکت کی دعوت دی گئی۔

دربن پیش کئے گئے۔ پوچھ تاچھ ہوئی۔ سلطان نے ان سے دریافت کیا:

درویشاں را درکار مملکت و امور سلطنت چہ گذر؟

(مملکت کے کاموں اور امور سلطنت سے درویشوں کا کیا سروکار؟)

سیدی مولہ نے اپنے خلاف لگائے گئے تمام الزامات کی تردید و تکذیب کی اور انہیں بے بنیاد ٹھہرایا۔ دوسرے بھی اپنی بے گناہی کا اظہار کرتے رہے۔ سلطان نے دربار میں حاضر درویشوں سے کہا:

شما چرا بر سیدی مولہ ماجرا نمی کیند؟

اس کے بعد دو قلندروں اور ایک حیدری درویش نے سیدی مولہ کی داڑھی پکڑی اور انہیں زمین پر گرا دیا۔ سُوا ان کے پہلو میں اور ایک پتھر ان کے سر پر مارا۔ ارکلی خان نے ہاتھی بانوں کو حکم دیا کہ وہ سیدی مولہ کو کچل دیں۔ (۲۵) کہا جاتا ہے کہ اس واقعۂ جان کاہ کے رونما ہونے سے ایک ماہ قبل ہی سے سیدی مولہ رات دن یہ اشعار پڑھتے اور ہنستے تھے۔ جیسے انہیں اپنے ساتھ پیش آنے والی دردناک صورت حال سے آگاہی حاصل تھی اور وہ اسے اپنے خالق کا عطیہ سمجھ کر جھولی پھیلائے اس کے بے چینی سے منتظر تھے۔ (۲۶)

در مطبخ عشق جز نکو را نکشند   لاغر صفتان و زشت خو را نکشند
گر عاشق صادقی زکشتن مگریز   مردار بود ہر آنچہ او را نکشند

(مطبخ عشق میں صرف نیکوکار ہی قتل کئے جاتے ہیں۔ یہاں کمزور اور بد اطوار قتل نہیں کئے جاتے۔ اگر تو عاشق صادق ہے تو قتل ہونے سے پہلوتہی نہ کر، چونکہ وہ لوگ جو قتل نہیں کئے گئے، وہ مُردار ہیں)

بہرحال سیدی مولہ نے اپنی زندگی قربان کر دی اور ان عاشقان صادق میں شامل ہو گئے، جو خود ان کے بقول مردار نہیں، زندہ و فعال ہوتے ہیں۔

سیدی مولہ دہلی آتے ہوئے جب حضرت بابا فرید کے یہاں رہے تھے۔ (۲۷) تو حضرت بابا صاحب نے انہیں ایک نصیحت کی تھی اور آگاہ و متنبہ کیا تھا کہ "دہلی جا رہے ہو۔ وہاں نام پیدا کرنا چاہتے ہو۔ اپنے لئے جو بہتر سمجھو، وہی کرنا۔ یہ تمہارا اپنا ذاتی معاملہ ہے، لیکن میری یک وصیت کا خیال رکھنا۔ ملوک و امراء کے ساتھ اختلاط نہ رکھنا۔ اپنے گھر میں ان کی آمدورفت کو مہلک سمجھنا، جو ملوک و امراء سے ملتا جلتا ہے، اس کا انجام بخیر نہیں ہوتا۔ (۲۸)

حضرت باباصاحب کی یہ تجویز پڑھ کر ایسا احساس ہوتا ہے کہ آپ کو سیدی مولہ کے عزائم اور آئندہ رویّے کے نتیجے میں ان کے ساتھ پیش آنے والے واقعات پہلے ہی سے نظر آ رہے تھے۔ وہ سیدی مولہ کو اپنے بزرگوں کے اس طرزِ عمل کی یاد دلا رہے تھے۔ جس کی بنا پر کسی چشتی بزرگ نے دربارِ وقت سے کوئی سروکار نہیں رکھا اور صاحبانِ دنیا سے دوستی کے نتیجہ میں ہر قسم کی نکبتوں اور ہزیمتوں سے محفوظ و مامون رہے۔

یہ سب پر واضح ہے کہ محمد بن تغلق کا دَور ہندوستان کی تاریخ میں چند وجوہ سے ایک قسم کا ہنگامی دور تھا۔ اس نے اصلاحات کرنے کے جوش میں افراط و تفریط کا رویّہ اپنایا۔ صوفیاء، مشائخ اور علماء کے ساتھ بھی سختی کا برتاؤ کیا۔ ذاتی اغراض و مقاصد کے لئے انہیں سخت سزائیں بھی دیں۔ عام طور پر ان سزاؤں کی اصل وجہ حکومتِ وقت کی رَوِش سے ان علماء مشائخ کا عدم اشتراک و متعاون تھا۔ سلطان سماج کے اس بااثر طبقے کا یہ عدم تعاون برداشت نہ کر سکا۔ اس نے ردعمل کے طور پر اس طبقے کے افراد کو ایسی سزائیں بھی دیں جو شرعی حدود سے متجاوز نظر آتی ہیں۔ محمد بن تغلق اور مشائخ کرام کے ناخوشگوار تعلقات کا مطالعہ کرتے وقت اس پہلو پر بھی توجہ رہنی چاہیئے کہ اس دور میں امام ابن تیمیہ (متوفی : ۷۲۸ھ/۱۳۲۸ء) کی تحریک کی گونج ہندوستان تک پہنچ چکی تھی۔ امام ابن تیمیہ کے ایک شاگرد امام عبدالعزیز اردبیلی اسی دور میں دہلی آئے تھے۔ محمد بن تغلق نے ان کے ارشاداتِ عالی کو توجہ سے سنا تھا اور ایک موقع پر سلطان نے اظہارِ مسرت و عقیدت کے طور پر انکے قدم تک چومے تھے۔ (۲۹)

امام ابن تیمیہ نے مسلمانوں کی سماجی، دینی اور سیاسی زندگی کے ہر ہر پہلو کو قرآن و سنت کی کسوٹی پر کسا تھا۔ کھوٹے اور کھرے میں تمیز کی جستجو کی تھی۔ اصلاح کے لئے قلمی اور عملی پرخلوص جدوجہد کی تھی۔ خاص طور پر تصوّف اور اس سے متعلق مختلف امور پر امام ابن تیمیہ نے شدید تنقید و اعتراضات کئے تھے۔ بعید نہیں، اگر یہ نتیجہ نکالا جائے کہ مشائخ کرام سے محمد بن تغلق کے تعلقات اور مشائخ کی زندگی، اور افکار و عقائد کے بارے میں اس کا سخت رویہ ایک حد تک ابن تیمیہ کے افکار و خیالات سے متاثر رہا۔

محمد بن تغلق کے زمانے میں دو صوفیائے کرام کو دہلی میں قتل کیا گیا۔ حسن اتفاق دیکھئے۔ دونوں ہم نام ہیں۔ ایک شیخ شہاب الدین حق گو بن شیخ فخر الدین زاہدیؒ اور دوسرے شیخ شہاب الدین ابن شیخ احمد جان خراسانیؒ۔ محمد بن تغلق بعض اُن ذہنی الجھنوں کا بھی شکار تھا جو عقلیت پسندی

ہیں غلو کا لازمی نتیجہ ہیں۔ اپنے اسی طرزِ فکر کی بناء پر اس نے شیخ شہاب الدین حق گو سے کہا کہ عقل نبوت کے خاتمے کو تسلیم نہیں کرتی۔ سلطان کے یہ الفاظ اسلام کے بنیادی اصولوں سے متصادم ہیں۔ اس لئے یہ سن کر ظاہر ہے۔ شیخ صاحب کو غصہ آ گیا۔ محمد غوثی نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ شیخ شہاب الدین سلطان کے اس بے سرو پا نظریے سے ناراض ہو کر اتنے آپے سے باہر ہوئے کہ انہوں نے اپنا جوتا پاؤں سے اتارا اور سلطان کے منہ پر کھینچ مارا۔ (۳۰) سلطان یہ بے عزتی کہاں برداشت کر سکتا تھا۔ اس نے شیخ حق گوؒ کو قلعے کے اوپر سے خندق میں پھینک دینے کا حکم دیا۔ اس کے نتیجے میں شیخ شہاب الدین حق گو کا وصال ہو گیا۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی تحقیق یہ ہے کہ سلطان محمد تغلق نے شیخ شہاب الدینؒ سے مطالبہ کیا کہ وہ اسے محمد عادل کے لقب سے پکاریں۔ شیخ صاحب اس بات کے لئے راضی نہیں ہوئے اور مصر رہے کہ وہ ایک ظالم کو عادل نہیں کہیں گے۔ (۳۱) بہرحال شیخ شہاب الدینؒ کو حق گوئی میں قتل کی سزا ۷۳۰ھ/ ۳۰-۱۳۲۹ء) میں دی گئی۔ اس واقعہ پر علامہ اقبال کا یہ شعر بے ساختہ زبان پر آتا ہے۔ جس میں ایسے ہی حق گو اور بے باک انسانوں کو جواں مرد سے تعبیر کیا گیا ہے۔

آئینِ جواں مرداں حق گوئی و بے باکی اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

شیخ شہاب الدین ابن شیخ احمد جام خراسانیؒ وہ دوسرے بزرگ ہیں جو محمد بن تغلق کے حکم سے دہلی میں قتل کر دیئے گئے تھے۔ یہ اپنے زمانے کے مشہور بزرگ تھے۔ چودہ چودہ دن تک برابر روزہ رکھتے۔ بعض بادشاہ جیسے سلطان قطب الدین (متوفی: ۷۲۰ھ/ ۱۳۲۰ء) اور غیاث الدین (متوفی: ۷۲۵ھ/ ۱۳۲۵ء) ان سے عرض ارادت کے لئے ملاقات کرتے۔ محمد بن تغلق نے حکومت کی ایک ذمہ داری ان کے سپرد کرنا چاہی، آپ نے انکار کر دیا۔ سلطان نے بھرے دربار میں دوبارہ ان کے سامنے اپنی تجویز دھرائی۔ آپ نے تب بھی یہ ذمہ داری قبول کرنے سے گریز کیا۔ سلطان غضب ناک ہو گیا۔ اس نے شیخ ضیاء الدین سمنانی کو حکم دیا کہ وہ شیخ کی داڑھی نوچ لیں۔ شیخ ضیاء الدین سمنانی کے سینے میں ایک حساس دل تھا، جو خوف خدا سے سرشار تھا۔ انہوں نے سلطان کی حکم عدولی کی۔ گویا شیخ شہاب الدین کی بزرگی کا پاس رکھا اور ان کے قول و فعل کو حق بجانب قرار دیا۔ ظاہر ہے سلطان صداقت کے اس برملا اظہار کا متحمل نہ ہو سکا۔ اس نے شیخ ضیاء الدین کی داڑھی بھی نوچ دینے کا حکم دیا اور سزا کے طور پر شیخ شہاب الدین کو دولت آباد بھیج دیا گیا جلاوطنی

کی اس زندگی پر جب سات برس بیت گئے تو سلطان نے انہیں دہلی واپس بلوالیا۔ ان کی تعظیم و تکریم کی اور عاملوں سے بقایا وصول کرنے کا کام ان کو سونپ دیا۔ ان کے مراتب میں اضافہ بھی کیا۔ امراء و اعیان سلطنت انہیں سلام کرنے جاتے تھے۔ شیخ شہاب الدین کے حق میں سلطان محمد بن تغلق کی نوازشات و انعامات کے نتیجے میں انہیں سرکاری حلقوں میں وہ اعلیٰ مقام حاصل ہوگیا جو حتیٰ شاہی گھرانے میں بھی کسی کو حاصل نہ تھا۔ اسی اثناء میں سلطان اودھ میں اپنی بسائی ہوئی نئی بستی " سرگ دواری" چلا گیا اور شیخ صاحب سلطان کی اجازت سے دہلی ہی میں مقیم رہے۔

بادشاہ نے شہر سے چھ میل کے فاصلے پر ایک وسیع قطعۂ اراضی انہیں عطا کر دیا۔ کہ شیخ صاحب نے ایک بڑا غار اس زمین میں تیار کرایا۔ اس میں رہائش کی گنجائش نکالی، گودام تیار کرائے، تنور بنوائے، حمام بنوائے، جمنا سے ایک نہر کاٹ کر اس قطعۂ اراضی سے جوڑ دی گئی شیخ صاحب کے خدام دن بھر زمین پر کام کرتے، کھیتی باڑی کرتے اور رات کو اپنے مویشی لے کر غار میں چلے جاتے اور غار کا دروازہ بند کر دیا جاتا۔ گویا شیخ صاحب نے اپنی ایک الگ ہی دنیا بسالی، جہاں وہ شانِ بے نیازی سے زندگی گزارنے لگے۔

کچھ عرصے بعد سلطان نے شیخ شہاب الدین کو اپنی خدمت میں بلا بھیجا۔ آپ نے دربار میں حاضر ہونے سے انکار کر دیا اور کہا کہ میں اس ظالم بادشاہ کی کوئی خدمت نہیں کر سکتا۔ سلطان نے انہیں زبردستی دربار میں پیش کرنے کا حکم دیا۔ انہیں دربار میں لایا گیا۔ سلطان نے ان سے پوچھا! مجھے ظالم کہنے کا سبب کیا ہے؟ شیخ صاحب نے اس کے مظالم شمار کرانے شروع کر دیے۔ خصوصیت کے ساتھ اس ظلم کا ذکر کیا، جو ان کی نظر میں دہلی کے باشندوں کو دیوگیر (دولت آباد) بھیجنے پر اس نے ڈھائے تھے۔ سلطان نے یہ الزامات سُن کر اپنی تلوار میان سے نکالی۔ صدر جہاں کو دی اور شیخ صاحب سے کہا: مجھے ظالم ثابت کرو اور میری گردن اس تلوار سے اڑا دو۔ شیخ صاحب نے جواب دیا؛ جو شخص تجھے ظالم کہے یا ثابت کرے گا۔ اس کی گردن تن سے جدا کر دی جائے گی۔ لیکن تو خود واقف ہے کہ تو ظالم ہے۔ سلطان یہ گفتگو سن کر بھڑک اٹھا۔ اس نے حکم دیا کہ شیخ صاحب کو ہتھکڑیاں لگا دی اور بیڑیاں پہنا دی جائیں۔ مختصر یہ کہ شیخ صاحب گرفتار کر لئے گئے۔ قید خانے میں آپ نے چودہ روز تک کچھ نہیں کھایا پیا۔ انہیں روزانہ دربار میں لایا جاتا۔ فقہاء اور مشائخ انہیں اپنے کہے پر اظہار ندامت کی ترغیب دیتے۔ شیخ صاحب انکار کر دیتے اور اپنے عزم جلیل کا اظہار کرتے کہ میں شہداء کے زمرے میں شامل

ہونا چاہتا ہوں۔

چودھویں روز سلطان نے مخلص الملک کے ہاتھوں شیخ صاحب کے لئے کھانا بھجوایا۔ شیخ صاحب نے حسب سابق کھانے سے انکار کر دیا اور کہا:

"میرا رزق اس دنیا سے اُٹھ چکا ہے۔"

سلطان کو ان کے اس اصرار کا علم ہوا تو اس نے حکم دیا کہ انہیں گوبر کھلایا جائے۔ اس کام پر غیر مسلم مامور کئے گئے۔ شیخ کے مرتبے سے ناواقف ان لوگوں نے شیخ صاحب کو زمین پر چت لٹا دیا اور منہ میں گوبر ڈال دیا۔ اگلے روز پھر شیخ صاحب کو قاضی صدر جہاں کے گھر لایا گیا۔ فقہاء، مشائخ اور دوسرے ممالک کے چند لوگ وہاں جمع تھے۔ ان لوگوں نے اتمام حُجت کے طور پر شیخ صاحب کو نصیحت کی کہ وہ اپنے الفاظ واپس لے لیں لیکن شیخ صاحب نے انہیں دربار میں سرخ روئی حاصل کرنے کا موقع نہیں دیا۔ اس لئے سلطان نے انہیں قتل کر دینے کا حکم سنا دیا اور انہیں قتل کر دیا گیا۔

یہ واقعہ ابن بطوطہ نے بیان کیا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ شیخ کو یہ شبہ ہو گیا تھا کہ شیخ صاحب کے بنائے ہوئے غار میں ایسے افراد بھی جمع ہوتے ہیں جو اس کے خلاف سازش کر سکتے ہیں۔ اور اسے مصیبت میں ڈال سکتے ہیں۔ ابن بطوطہ خود ایک بار شیخ صاحب کا بنوایا ہوا غار دیکھنے گیا تھا۔ سلطان نے شیخ صاحب کو گرفتار کرنے کے بعد ان کے لڑکوں سے دریافت کیا تھا کہ شیخ صاحب سے ملنے کون کون لوگ آتے تھے۔ ظاہر ہے کہ لڑکوں نے ابن بطوطہ کا نام بھی اس ضمن میں سلطان کو بتایا ہو گا اور ابن بطوطہ بھی سہم گیا ہو گا۔

فیروز شاہ کا عہد (۷۵۲ھ/۱۳۵۱ء - ۷۹۰ھ/۱۳۸۸ء) آیا۔ یہ ایک دین دار بادشاہ سمجھا گیا ہے۔ علماء، مشائخ اور عوام و خواص سب ہی اس کے جذبۂ دین کے قائل ہیں۔ اولیائے حضرت الٰہ، حامل خصائل انبیاء، نائب رسول اور مہدی عصر ایسے القاب سے اسے یاد کیا گیا ہے۔ اس کے عہد میں بھی مذہب و شریعت کے نام پر مختلف افراد کا قتل کیا گیا ان میں مشائخ بھی تھے۔

شیخ احمد باری ایک بزرگ شخصیت کے حامل تھے۔ شیخ شرف الدین یحییٰ منیری (متوفی: ۷۸۲ھ/ ۱۳۸۰ء)۔ (۳۲) سے ان کے گہرے تعلقات تھے۔ حالانکہ بظاہر وہ ایک دیوانے نظر آتے تھے۔ لیکن بہ باطن وہ اسرار و رموزِ توحید کے حامل تھے۔ وہ شیخ شرف الدین یحییٰ منیری سے توحید

کے موضوع پر گفتگو بھی کرتے تھے۔ البتہ عالم دیوانگی میں ان کی زبان سے ایسے جملے بھی نکل جاتے تھے، جنھیں سخن ہائے ذراح اور شطح، کہا جاتا ہے اور جو عوام الناس کی فہم و ادراک سے بالاتر ہوتے ہیں۔

علمائے ظاہر نے ان کے افکار و خیالات کے خلاف سلطان سے شکائیت کی۔ سلطان نے محضر طلب کیا۔ اکابر شہر جمع ہوئے۔ سب علماء نے ان کے قتل کا فتویٰ صادر کردیا اور وہ قتل کردیے گئے۔

شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ کو جب اس قتل کی اطلاع ملی، تو آپ نے اظہار تعجب فرمایا کہ:

"در شہری کہ خون این چنین بزرگان ریختہ شود، عجب بود اگر آن شہر آبادان بماند۔"

(جس شہر میں ایسے بزرگوں کا خون بہایا جائے، تعجب ہے۔ اگر وہ معمور و آباد رہے)

غالباً فیروز شاہ تغلق ہی کے زمانے میں وحدت الوجودی فکر کے حامل ایک دوسرے صوفی کو بھی قتل کیا گیا تھا۔ یہ مسعود بک تھے۔ (۳۳) ان کا شمار سلطان فیروز کے اعزہ میں ہوتا ہے۔ ان کا اصل نام شیر خاں تھا۔ اوائل میں حکومت کی دستگاہ سے وابستہ رہے۔ جذبۂ حق غالب آیا تو تمام دنیوی علائق سے ناطہ توڑ لیا اور شیخ رکن الدینؒ کی خدمتِ بابرکت میں پہنچ کر ان کے مرید ہوگئے۔ شیخ رکن الدینؒ اپنے والدِ محترم شیخ شہاب الدینؒ امام کے مرید و خلیفہ تھے۔ جنھیں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کی امامت کا فخر حاصل تھا۔ انھیں شیخ شہاب الدینؒ امام کے لئے اپنی عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے امیر خسرو نے کہا تھا:

او چو ابرِ کرم بر فرقِ جہان زیرکان چون صدف کشادہ دھان
شمع من یافتہ ضیاء ازوی مسِ من گشتہ کیمیا ازوی

(ان کا وجود دنیا پر ابر کرم کی مانند ہے۔ زیرک لوگ ان کے ابر کرم کے سامنے منہ کھولے ہوئے سیپیوں کی طرح ہیں۔ میری شمع نے انہیں سے روشنی حاصل کی ہے۔ میری ہستی کی مس انہیں سے رابطہ کی وجہ سے کیمیا بن گئی ہے۔)

مسعود بک ایک صاحب حال بزرگ تھے۔ بقول پروفیسر خلیق احمد نظامی "عشق حقیقی کی آگ ان کے سینے میں سلگتی رہتی تھی اور اس کے شرارے کبھی کبھی شعر کی صورت میں نمودار ہوتے تھے۔ ان کے دیوان نور العین کا ایک ایک شعر اور ان کی مراۃ العارفین کی ایک ایک سطر ان

کے جذبے اور کیفیت کی غماز ہے۔ دیوان اور مرآۃ العارفین کے علاوہ مسعود بک نے عین القضاۃ ہمدانی کی تمہیدات پر حاشیہ بھی لکھا۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ مسعود بک کے افکار و عقائد کے بارے میں یہ اظہار رائے کرتے ہیں کہ وہ نہایت عالم سکر میں رہتے۔ سخن مستانہ کے مرتکب ہوتے اور چشتیہ سلسلے میں کسی صوفی شیخ نے اس طرح اسرار حقیقت کو فاش نہیں کیا، جو مسعود کا شیوہ تھا۔ محدث دہلویؒ تو یہاں تک لکھ گئے ہیں کہ مسعود بک کی آنکھوں سے نکلنے والے آنسو اس قدر گرم ہوتے تھے کہ اگر کسی کے ہاتھ پر گر جائیں، تو اسے جلا دیں۔

مسعود بک وحدت الوجودی فکر کے داعی اور مبلغ نظر آتے ہیں۔ شیخ محدث دہلویؒ سخن مستانہ اور اسرار حقیقت سے مسعود بک کے اسی رجحانِ طبیعت کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ توحید پر مسعود بک کا ایک شعر اور ایک رباعی پیش خدمت ہے۔

رفت رمسعود بک جملہ صفات بشر　　　چونکہ ہمان ذات بود، یار ہمان ذات شد

یہ شعر وحدت الوجودی عقیدے کا ترجمان ہے۔ مسعود اس شعر میں خود کو جملہ صفات بشری سے بالاتر، اسی کی ذات حقیقی میں مدغم بتاتے ہیں۔ وہی نعرۂ منصور حلاج : انا الحق۔

اسی ضمن میں مسعود بک کی یہ رباعی بھی ملاحظہ فرمایئے:

گر از خودی خویش برون آئی تو　　　در پردۂ توحید درون آئی تو
در از روشِ چون و چرا در گذری　　　از خود شدہ، بی چرا و چون آئی تو

بہرحال فقہائے عصر نے ان کے خلاف قتل کا فتوےٰ دے دیا اور انہیں قتل کر دیا گیا۔
روضۃ الاقطاب میں علمائے وقت سے ان کے ناخوشگوار تعلقات اور ان کے خلاف قتل کے فتوے کے بارے میں صرف اتنا لکھا ہے کہ:

علمای روزگار را با وی نقاری تمام، چنانچہ بہ فتویٰ ایشاں مثلِ حسین منصور بہ قتل آمد (۳۴)
(علمائے عصر کو ان سے نہایت عداوت تھی۔ چنانچہ ان کے فتوے پر انہیں منصور حلاج کی طرح قتل کر دیا گیا)

صادق ہمدانی نے مسعود بک کے بارے میں لکھا ہے۔ (۳۵) کہ ۸۰۰ھ/۱۳۹۷ء میں ان کے خلاف فتویٰ صادر ہوا اور انہیں منصور حلاج کی طرح قتل کر دیا گیا اور قتل کرنے کے بعد ان کے جسد کو نذر آتش کر دیا گیا۔

حوالہ وحواشی

۱۔ ملفوظات شاہ عبدالعزیز دہلوی میں اسی اطلاع کی بنیاد پر دہلی کو غالباً بائیس خواجاؤں کی چوکھٹ کہا جانے لگا ہے۔

۲۔ فتوح السلاطین، ص ۱۱۴۔

۳۔ تذکرہ مولانا آزاد، ص ۸۳۔

۴۔ رافضی کو ناصبی کہتے ہیں اور مرجی وہ گروہ ہے جو رجا کا قائل ہے۔ مرجی دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک مرجی خالص، اور دوسرے مرجی غیر خالص۔ مرجی خالص وہ لوگ ہیں جو صرف خدائے تعالٰے کی رحمت کی بات کرتے ہیں اور مرجی غیر خالص وہ ہیں خوخداوند عالم کی رحمت و عذاب دونوں کی بات کرتے ہیں اور یہ صحیح مذہب یہی ہے۔ فوائد الفواد اردو ترجمہ پروفیسر محمد سرور، لاہور، ۱۹۸۰ء، ص ۳۷۴۔ یہاں اس امر کی طرف اشارہ بھی ضروری ہے کہ فوائد الفواد کے مطابق علماء مولانا نور ترک کو ناصبی اور مرجی کہتے تھے۔ اس کے برخلاف طبقات ناصری (ص: ۴۱۶) تحریر ہے کہ مولانا نور ترک علماء کو ناصبی اور مرجی پکارتے تھے۔ منہاج سراج نے مولانا نور ترک اور ان کے پیروکاروں کو قرامطہ اور ملاحدہ کا نام دیا ہے۔

۵۔ تاریخ حقی (بحوالہ سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات، ص: ۳۴۹)

۶۔ قاضی منہاج سراج ہرات کے نواحی علاقے جوزجان میں ۵۸۹ھ/۱۱۹۳ میں پیدا ہوئے ہندوستان میں سب سے پہلے حاکم ملتان قباچہ سے متعلق رہے۔ اس کے بعد التمش سے وابستہ ہوگئے۔ اس کے لڑکے سلطان ناصرالدین محمود نے انہیں دہلی اور تمام سلطنت کا قاضی مقرر کیا۔ اسی عہد میں انہوں نے طبقات ناصری لکھی۔ عہد بلبن میں ان کا انتقال ہوا۔

۷۔ طبقات ناصری: ۱۹۸ — ۲۰۰۔

۸۔ سرور الصدور (قلمی) میں یہ اطلاع دی گئی ہے کہ سلطان بلبن کہا کرتا تھا کہ وہ (قاضی منہاج سراج) نہ خدا سے ڈرتا ہے اور نہ مجھ سے (بحوالہ حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی ص: ۱۷) سرور الصدور شیخ حمید الدین ناگوری سوالیؒ کے ملفوظات ہیں۔ جنھیں ان کے

پوتے شیخ فرید الدینؒ نے جمع کیا ہے۔

۹۔ فوائد الفواد، ۲۵۳، خواجہ نظام الدین اولیاءؒ نے آپ کے بارے میں یہ بھی فرمایا کہ؛ آپ صاحب ذوق بزرگ تھے۔ ایک دفعہ انہیں شیخ بدرالدین غزنوی کے گھر بلوایا۔ وہ پیر کا دن تھا۔ انہوں نے وعظ ختم کرنے کے بعد آنے کا وعدہ کیا۔ حسب وعدہ وہ آگئے اور مجلس سماع میں شرکت کی۔ اپنی دستار اور دراع کو تار تار کر دیا۔ اس وقت قوال شیخ بدرالدین کی جو غزل پڑھ رہے تھے۔ اس کا ایک شعر یہ ہے:

توجہ می کرد برمن توجہ گر در مجمعی　　آہ ازیں سوزم برآمد توجہ گر آتش گرفت

(فوائد الفواط: ۳۶۳)

۱۰۔ سرور الصدور (قلمی)

۱۱۔ ابن بطوطہ کے بقول دولت خانہ یعنی بادشاہی محل مسجد جامع کے متصل تھا۔

(عجائب الاسفار ج ۲: ۵۴)

۱۲۔ طبقات ناصری: ۴۶۱

۱۳۔ فتوح السلاطین: ۱۳۲۔

۱۴۔ فوائد الفواد: ۳۷۴۔

۱۵۔ یہ واقعہ طبقات ناصری میں صفحہ ۱۹۵ پر بیان کیا گیا ہے۔

۱۶۔ تذکرہ، ص ۸۳۔

۱۷۔ سیدی مولہ اصلاً کہاں سے تعلق رکھتے تھے۔ اس میں اختلاف رائے نظر آتا ہے۔ بعض ملک بالا سے عرب کا علاقہ مراد لیتے ہیں۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی نے ملک بالا سے عرب کا علاقہ مراد لیا ہے اور مطہر کڑہ کے درج ذیل اشعار سے استناد کیا ہے:

بہ ہندوستان سفر بسیار کردم ہر سوی لیکن

ہوس دارم کہ یک چندی بہ بینم ملک بالا را

درآیم از حجاز اندر یمن، ز آنجا سوی مکہ

بہ بینم مر صفا و مروہ و عرفات و بطحا را

اس امر کی مزید تصدیق کے لئے پروفیسر نظامی نے خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ: رسم عرب آنست کہ چون کسی را بہ بزرگی یاد کنند، سیدی گویند" گلزار ابرار

میں بھی سیدی مولہ کو عرب نژاد بتایا گیا ہے۔ اس کے خلاف فرشتہ نے لکھا ہے کہ سیدی مولہ جرجان سے ہندوستان آئے۔ بہرحال سیدی مولہ کی شخصیت اور ان کی علاقائی نسبت کو سمجھنے کے لئے یہ بیان بھی پیش نظر رہے؛

" دراویش مولہیا احمدیہ طایفہ ای از صوفیہ بودہ اند۔ در رسالہ عرض سپاہ از زون حسن ص ۲۲ این عبارت آمدہ : واز عقب ایشان درویشان احمدی کہ بہ مولہیا مشہور اند با توق و علم احمدی و دف و نی، چنانچہ شیوۂ ایشان است، متوجہ گشتند۔ سفرنامہ ابن بطوطہ، فارسی ترجمہ، حاشیہ ۷۰۰،

۱۸۔ فتوح السلاطین : ۲۱۶

۱۹۔ اخبار الاخیار : ۷۳

۲۰۔ سفرنامہ ابن بطوطہ (فارسی ترجمہ) ص/ ۱۹۔

۲۱۔ محمد غوثؒ نے گلزار ابرار میں یہی خیال ظاہر کیا ہے کہ سیدی مولہ کے دماغ میں سلطنت دہلی کی ہوا سما گئی اور ان کی طرف سے کچھ لوگ کام بنانے کے لئے کھڑے بھی ہوئے.

گلزار ابرار : ترجمہ سیدی مولہ

۲۲۔ یہ دہلی کے ایک معروف بزرگ ہیں۔ پرگتی میدان (نمائش گاہ) نئی دہلی سے ملحق ایک ٹیلے پر ان کا مزار آج بھی مرجع خلائق ہے۔ دہلی میں یہ مٹکے شاہ کے لقب سے معروف ہیں۔

۲۳۔ تاریخ فیروز شاہی : ۲۱۲۔

۲۴۔ فتوح السلاطین : ۲۱۶۔

۲۵۔ یہ پورا واقعہ تاریخ مبارک شاہی : ۶۵ ــ ۶۷ سے ماخوذ ہے۔

۲۶۔ تاریخ مبارک شاہی : ۶۵۔ ۶۷۔

۲۷۔ فرشتہ نے ملحقات عین الدین بیجاپوری کے حوالے سے لکھا ہے کہ " سیدی مولہ بقصد زیارت شیخ فریدالدین شکر گنجؒ بہ ہندوستان شتافت" ؛ (سیدی مولہ شیخ فریدالدینؒ شکر گنج کی زیارت کے لئے ہندوستان آئے)۔ اس کے خلاف برنی (ص: ۲۰۹) کا بیان ہے کہ وہ بابا صاحب کے ہاں بلا کسی خاص سبب یا ارادے کے دو تین دن مقیم رہے۔

۲۸۔ تاریخ فیروز شاہی برنی : ۲۰۹۔

۲۹۔ عجائب الاسفار : ۱۱۳ (سفرنامۂ ابن بطوطہ : ۲۰۴)

۳۰۔ گلزار ابرار : ترجمہ شیخ شہاب الدین محدث دہلوی نے لکھا ہے کہ محمد بن تغلق نے غرور سلطنت میں مبتلا ہو کر مخدوم مولانا عماد الدین غوری سے بھی یہ کہا تھا کہ : فیض خدا منقطع نہیں ہوتا۔ اس لئے فیض نبوت کیسے منقطع ہو سکتا ہے۔ آج اگر کوئی پیغمبری کا دعویٰ کرے اور معجزے دکھائے تو کیا آپ اس کی پیغمبری کی تصدیق کریں گے؟ مولانا عماد الدین نے جواب دیا تھا کہ حماقت کیوں کرتا ہے۔ ایسا نہیں کہنا چاہیئے۔ محمد تغلق نے انہیں بھی ذبح کرا دیا اور ان کی زبان کھنچوا دی۔ (اخبار الاخیار : ۱۹۵)

۳۱۔ اخبار الاخیار : ۱۲۹۔

۳۲۔ آپ فردوسی سلسلۂ تصوف کے معروف بزرگ ہیں۔ بہار میں منیر کے مقام پر پیدا ہوئے اور اسی مقام پر دفن ہیں۔ آپ کے ملفوظات کے متعدد انتخابات دستیاب ہیں لیکن آپ کے مکتوبات کو بہت شہرت حاصل ہے۔ آپ کے حالات و تعلیمات کے لئے مزید تفصیل کے لئے رجوع کریں : اخبار الاخیار : ۱۱۶ ؛ اشرف از ڈاکٹر محمد طیب ابدالی وغیرہ۔

۳۳۔ ان کے حالات و اقوال کے لئے رجوع کریں : اخبار الاخیار : ۱۶۴ - ۱۶۷ ، گلزار ابرار ۱۹۴ ؛ معارج الولایت (قلمی)

۳۴۔ روضۃ الاقطاب : ۸۸ ، بقول پروفیسر نظامی ، بعض تذکروں میں مسعود بک کا سال وصال ۸۰۰/ ۱۳۹۷ لکھا ہے۔ اگر یہ صحیح ہے تو ان کی موت کی ذمہ داری فیروز شاہ پر عائد نہیں ہوتی۔

۳۵۔ طبقات شاہجہانی (قلمی) عربک اینڈ پرشین انسٹی ٹیوٹ ، ٹونک : ص ۲۴۔

* سعید احمد

کتابوں پر نقد و نظر

• مصنفین و ناشرین ہر کتاب کے دو نسخے ارسال فرمائیں۔

نام کتاب	: سوانح سراج الأمۃ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ
مصنف	: ابوالاحسن محمد محبوب الٰہی رضوی۔
ترتیبِ نَو	: عبدالستار طاہر قادری رضوی
ضخامت	: ۶۴ صفحات سائز ۲۳ × ۱۸ / ۸
مہر و ماہ	: صفر المظفر ۱۴۰۹ھ / ستمبر ۱۹۸۸ء
ناشر	: مرکزی مجلس امام اعظم رجسٹرڈ لاہور۔
ھدیہ	: ۳ روپے کے ٹکٹ روانہ کرنے کے عوض حاصل کریں۔

امام اعظم حضرت نعمان بن ثابتؒ جو امام اعظم یا اپنی کینت " ابوحنیفہ " کے نام سے زیادہ مشہور ہیں۔ ان جلیل القدر ہستیوں میں سے ایک ہیں۔ جن کے کردار و عمل اور فہم و فراست نے امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک گونہ انقلاب پیدا کر دیا۔ آپ کی علمی و فقہی شان صاحب کشف المحجوب حضرت علی الہجویری داتا گنج بخش قدس سرہٗ نے یوں بیان فرمائی ہے کہ خواب میں مَیں نے دیکھا کہ سرور کائنات، فخر موجودات حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک بوڑھے کو گود میں اٹھائے ہوئے ہیں۔ میں نے آپ کی خدمت میں عرض کی کہ حضورؐ یہ کون ہیں، تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہ ابوحنیفہ تیسرے امام ہیں، ان کی پیروی کر۔ اس کے بعد حضرت ہجویریؒ نے ایک خوبصورت فقرہ لکھا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں نے جانا کہ کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بقاہی بقا ہیں۔ اس لئے حضرت ابوحنیفہؒ کو بھی آپؐ کی وجہ سے بقا حاصل ہے۔ بہرطور امام اعظمؒ کی علمی فراست اور پاکیزگی کردار اظہر من شمس ہے۔ مسلم امۃ کا کافی بڑا حصہ فقہی مسائل میں آپ کا مقلد ہے۔ مرکزی مجلس امام اعظمؒ لاہور

---

* نائب مدیر " سُہرورد "

کی مطبوعات کا اشاعتی سلسلہ مسلمانوں کے لئے بڑا سود مند رہے گا۔ بانی مجلس علامہ عبد الحکیم خان اختر شاہجہان پوری مدظلہ چونکہ خود عالم اور صاحب زہد و تقویٰ ہیں۔ اس لئے امید کی جاتی ہے کہ فروعی اختلافات کو ہوا دینے کے بجائے مجلس امت مسلمہ کے اتحاد و یگانگت کے لئے کام کرے گی۔

زیرِ نظر سوانح گو ماہنامہ نور اسلام کے امام اعظم نمبر میں شائع ہو چکی ہے۔ پھر بھی ترتیب نو کے سلسلے میں عبد الستار طاہر صاحب نے کافی محنت فرمائی ہے۔ کتابت و طباعت بھی اچھی معیاری ہے۔

نام کتاب : مشائخین سہروردیہ

مؤلفہ : حضرت صوفی ابو النصیر محمد نذیر غوری سہروردی دائم برکاتہم۔

ضخامت : ۶۴ صفحات، سائز $\frac{۲۰ \times ۳۰}{۱۶}$

مہہ و ماہ : ۱۹۸۲ء

ناشر : ادارہ سہروردیہ فی مخزن علوم اسلامیہ۔

ا جہانگیر پارک غوثیہ سٹریٹ ۱۷ مکان ۳۵/A نیو شاد باغ لاہور،

ھدیہ : ۱۰ روپے

سلسلہ سہروردیہ کے جن مشائخ کرام کا اس میں ذکر ہے۔ ان کے نام نامی یہ ہیں۔

۱۔ قطب عالم حضرت میاں غلام محمد سہروردی قدس سرہٗ

۲۔ شیخ الاسلام حضرت سید ابوالفیض قلندر علی سہروردی،

صاحب تصنیف نے دونوں جلیل القدر ہستیوں کا زمانہ پایا۔ ان کے قریب رہنے کا موقع ملا۔ اس لئے جن حالات و کیفیات سے وہ گزرے۔ ان کا ذکر بھی اس میں شامل ہے کتاب کے آخری حصے میں حضرت شیخ الاسلام قدس سرہٗ کی تصنیفات کا مفصل تعارف کروایا گیا ہے۔ چونکہ حضرت شیخ الاسلام قدس سرہٗ اعلیٰحضرت احمد رضا خاں فاضل بریلی قدس سرہٗ کے شاگرد تھے۔ اس لئے تمام کتب میں عالمانہ انداز ہے۔ چند ایک کے علاوہ آپ کی باقی تمام کتب نایاب ہیں۔ ان کی مقرر اشاعت کی طرف آپ کے مریدین و متوسلین کو توجہ دینی چاہیئے۔

نام کتاب : تذکرہ حضرت ایشاںؒ
مؤلف : میاں اخلاق احمد ایم۔اے (پنجاب) مرحوم و مغفور۔
طبع : بار پنجم (نظر ثانی)
مہینہ و ماہ : ۱۹۸۵ء
صفحات : ۲۲۴
قیمت : تقسیم فی سبیل اللہ۔ (۳ روپے کے ڈاک ٹکٹ ارسال فرمائیں)
ملنے کا پتہ : میاں بدر اخلاق ۳۳۳۔ شاد باغ لاہور۔

حضرت ایشاںؒ کا اسم گرامی خواجہ خاوند محمود ہے۔ آپ کے جد امجد خواجہ علاؤ الدین عطارؒ ہیں جو خواجہ بہاؤ الدین نقشبند قدس سرہٗ کے داماد اور خلیفہ اعظم تھے۔ آپ کا اصلی وطن بخارا تھا۔ حضرت ایشاںؒ اکبر کے عہد میں ہندوستان تشریف لائے۔ لاہور میں ۹ سال تک آپ کا فیض عام جاری رہا۔ ۱۰۵۲ھ میں آپ کا وصال ہوا۔ آپ کا مزار بیگم پورہ (جی۔ٹی۔روڈ) لاہور میں زیارت گاہ خلق ہے۔ مؤلف کتاب میاں اخلاق مرحوم و مغفور ۱۹۱۲ء میں لاہور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے نانا حضرت میاں جلال الدین ابن مہر محمد دین کا چھڑ کے زیر سایہ پائی۔ اسلامیہ کالج لاہور سے ۳۷-۱۹۳۶ء میں بی۔اے کیا۔ بعد ازاں ایم اے پنجاب یونیورسٹی سے کیا۔ ریلوے میں ملازمت اختیار کی ۱۹۷۲ء میں اسسٹنٹ کنٹرولر آف پرچیز اینڈ سٹورز کے عہدہ سے ریٹائر ہوئے اپنے وصال تک علمی و ادبی مشاغل سے وابستہ رہے۔ تاریخی واقعات و حالات کے علاوہ صوفیائے کرام کے حالات و سوانح اہل ذوق حضرات کے لئے لکھتے اور شائع کرتے رہے۔ ان تمام کتب کو آپ اپنے خرچ پر چھپوانے کے علاوہ بغیر معاوضہ تقسیم کرتے تھے۔

آپ کے آباؤ اجداد اور والدہ مرحومہ حضرت سید میر جان کابلیؒ کے حلقۂ ارادت میں داخل تھیں۔ اسی وجہ سے آپ سلسلہ نقشبندیہ سے والہانہ عقیدت رکھتے تھے کیونکہ حضرت سید میر جان کابلیؒ حضرت ایشاںؒ ۱۰۵۲ھ کے سجادہ نشین تھے۔ آپ کے متعلق حضرت میاں شیر محمد شرق پوری شریف قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے۔ (۱) کہ زندگی میں دو شخصوں کو باکمال دیکھا ہے۔ ایک تو آغا صاحب (۲) اور دوسرے میر جانؒ جانشین خانقاہ حضرت ایشاںؒ۔ میاں اخلاق مرحوم و

۱۔ صوفی محمد ابراہیم قصوری، خزینۂ معرفت ص ۳۰۴۔
۲۔ آغا پیر سکندر علی شاہؒ حضرت شاہ محمد غوثؒ لاہوری کی اولاد میں تھے۔ رہائش پشاور میں تھی۔ کبھی کبھی لاہور تشریف لاتے۔

مغفور کو حضرت ایشانؒ اور حضرت سید میر جانؒ سے بہت عقیدت تھی۔ اس کا ثبوت قارئین کو کتاب کے مطالعے سے ہو جائے گا۔ زیر نظر اشاعت تذکرہ حضرت ایشانؒ کا پانچواں ایڈیشن ہے جو نظر ثانی اور اضافہ شدہ ہے۔ کتاب حاصل کرنے کے لئے سہروردمیں شائع شدہ تبصرہ کا حوالہ اور ۳۔ روپے کے ڈاک ٹکٹ ارسال فرمائیں۔

نام کتاب : تذکرہ حضرت پیر محمد سچیار قادری نوشاہیؒ (۱۰۱۲ھ - ۱۱۲۰ھ)
مصنّف : محمد لطیف زار نوشاہی۔
ضخامت : ۱۶۶، صفحات۔
سہر وماہ : ۱۴۰۷ھ / ۱۹۸۷ء۔
قیمت : ۲۰، روپے۔
ناشر : ادارۂ معارف نوشاہیہ، نوشاہی منزل، محمدی پارک، راجگڑھ لاہور۔

حضرت شیخ پیر محمد سچیار قادری نوشاہیؒ حضرت حاجی محمد نوشہ گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ (۹۵۹- ۱۰۶۴ھ) کے عزیز ترین اور محرم راز خلیفہ تھے۔ صاحبزادہ سید رضاء اللہ شاہ عارف نوشاہی کتاب کے ابتدائیہ میں لکھتے ہیں کہ سلسلہ نوشاہیہ کی شاخ سچیاریہ پر سب سے زیادہ برگ گل کھلے ...... مجھے یہ لکھنے میں کوئی باک نہیں محسوس ہو رہا کہ سلسلہ نوشاہیہ کی روحانی اور علمی عظمت کا انحصار سلسلہ سچیاریہ ہی کے مشائخ اور ادباء پر رہا ...... مشائخ، علماء، ادباء شعراء، امراء اور وزراء کے اس سلسلۃ الذہب کے امام حضرت پیر محمد سچیار علیہ الرحمۃ ہیں۔ زیر نظر کتاب انہیں کے ذکر خیر پر مبنی ہے۔

حضرت محمد لطیف زار نوشاہی ایک عالم دین ہونے کے علاوہ کئی ایک کتابوں کے مصنف ہیں جو زیادہ تر سلسلہ نوشاہیہ سے متعلق ہیں۔

توضیحات و تصحیحات

" سُہرورد " سلسلہ نمبر ۶ بابت اپریل تا جون میں زبیر شفیع غوری صاحب کا ایک مضمون " اوچ اور اس کے کتبات " شائع ہوا۔ چونکہ مضمون کچھ تکنیکی نوعیت کا تھا۔ اس لئے اس کی صفحہ بندی اور پروف ریڈنگ میں چند ایک غلطیاں رہ گئیں۔ موجودہ اشاعت میں اس بارے تصیحات درج کی جاتی ہیں۔ ان کو پیش نظر رکھ کر مضمون کی درستگی فرمالی جائے۔

۱۔ صفحہ بندی کی ترتیب صفحہ نمبر ۹۹ کے بعد یوں ہوگی۔ ۹۹، ۱۰۱، ۱۰۰، ۱۰۳، ۱۰۲۔

۲۔ کتبہ نمبر ۲ : ۱۳۲۹ ہجری النبوی لکھا گیا ہے۔ جب کہ اصل کتبہ پر محض ۱۳۲۷ھ درج ہے۔

(i) پہلی لائن کی عبارت میں " سید صفی الدین حقانی قدس اللہ سرہٗ العزیز بزمانہ راجہ انگیال نام" لکھا گیا ہے۔ " العزیز " بریکٹوں میں ہونا چاہیئے کیونکہ یہ لفظ کتبے سے مٹ چکا ہے انگیال نام، یوں ہونا چاہیئے تھا۔ انگیال نامور۔

(ii) دوسری لائن میں درین اور متمکن گردید کے الفاظ بھی بریکٹوں کے اندر ہونے چاہیئے تھے کیونکہ یہ الفاظ بھی کتبے سے مٹ چکے ہیں۔

(iii) متمکن گردید " کی بجائے کتبے پر مسجد ..... کرد " کے الفاظ ہیں جو بڑی مشکل سے پڑھے جاتے ہیں۔ میری رائے میں یوں ہونا چاہیئے تھا۔ " مسجد تعمیر کرد " کیونکہ کتبے کی عبارت کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہی الفاظ مناسب ہیں۔

(iv) لائن نمبر ۳ میں ۱۳۲۹ ہجری لکھا گیا ہے۔ اسے ۱۳۲۷ ہجری پڑھا جائے۔

کتبہ نمبر ۴ :

(i) قل انما ..... آلاخر والی آیت کتبے پر انما سے شروع ہوتی ہے۔ قل اضافی ہے۔

(ii) " اوچ متبرکہ مطلوبہ مسجد ..... تیار شد " تک عبارت معلوم نہیں کس غلطی کی وجہ سے اس انداز میں لکھی گئی ہے۔ کتبے پر یوں درج ہے۔

مطلوبہ مسجد شریفہ واقعہ
اوچ متبرکہ چاہ خانہ نو تیار شد

کتبہ نمبر ۶ :

جس انداز میں اوپر یہ کتبات موجود ہیں۔ اس کے مطابق دائیں طرف کے کتبہ کی پہلی لائن لفظ غفاری تک اور دوسری لائن حسینی بخاری تک جاتی ہے۔ پہلی لائن میں "حضرت قلب درگاہ" کتابت کی غلطی ہے۔ درست لفظ حضرت قطب درگاہ ہے۔ سید ابن علی کے الفاظ اصل کتبہ میں "سید ابن علے" کی صورت میں لکھے گئے ہیں۔

بائیں طرف کے کتبہ کی پہلی لائن شیخ حامد تک اور دوسری لائن خدامت انتباہ تک ہے۔ اس کے نیچے کی لائن میں سبع ۃ غلط طور پر لکھا گیا ہے۔ کتبہ پر "سبعۃ" لکھا ہوا ہے

کتبہ نمبر ۸ :

تاریخ مرمت خانقاہ ۱۳۳۵ھ لکھی گئی ہے۔ جب کہ کتبہ پر تاریخ ۱۳۳۰ھ لکھی ہوئی ہے اس کے علاوہ کچھ اور غلطیاں بھی ہیں۔ چوتھے شعر کے مصرعِ ثانی میں اصل الفاظ "جان خود بحق کردہ فنا" کے ہیں۔ بحق غلط طور پر لکھا گیا ہے۔ پانچویں شعر کے مصرعہ ثانی میں اصل لفظ "شغل" کی بجائے "شاغل" ہے۔ ساتویں شعر کے مصرعہ اولیٰ میں "چراغ دین نبی" کے اوپر تاریخ ہجری ۱۳۰۳ھ بھی لکھی ہوئی ہے۔

آٹھویں شعر کے مصرعہ اولیٰ میں لفظ "بعلم" پر نقطہ غلطی سے لگایا گیا ہے۔ جب کہ نویں شعر کے مصرعِ ثانی میں اصل لفظ "فہیم" کا ہے۔

کتبہ نمبر ۱۲ :

تاریخ درست لکھی گئی ہے لیکن اصل کتبہ پر بانداز دگر ۱۳۲۴ کی بجائے ۲۴ھ ۱۳ لکھا ہے۔

کتبہ نمبر ۱۴ :

تیسرے شعر کے مصرعہ اولیٰ میں "چیست تاریخ" اور "بنا" کے درمیان "این" کا لفظ بھی ہے۔ گویا مصرعہ اس طرح ہوگا ؎

چیست تاریخ این بنا پرسیدم از الہام غیب۔

اس کے علاوہ مصرعہ ثانی میں "خانقاہ نادر آمد باہا" کے نیچے ۱۰۶۸ھ کی تاریخ اصل کتبہ میں نہیں پڑھی جاتی۔

کتبہ نمبر ۱۵ : یہ کتبہ اصل میں کل تین لائنوں پر مشتمل ہے۔ پہلی لائن گنج بخش صاحب

کلاں پر، دوسری لائن مخدوم شیخ حامد محمد پر اور تیسری لائن مرمت یافت پر ختم ہوتی ہے۔

کتبہ نمبر ۱۶ :

درگاہ شاہ محمد غوثؒ کے دروازے پر کتبہ موجود ہے۔ اس کا جو نقش دیا گیا ہے۔ اس میں کتابت کی ایک دو غلطیاں ہیں۔ مثلاً کرد..... صدا لکھا ہے۔ اس کی بجائے کرد ...... صفا ہے۔ اسی طرح عطر..... نما کی بجائے عطر..... ضما ہے۔ تفصیل آگے اشعار میں دی گئی ہے۔ جہاں یہ دونوں اشعار درست لکھے گئے ہیں۔ البتہ آٹھویں شعر کے مصرعہ میں درقضائے کی بجائے اصل لفظ " درفضائے " ہے اور نویں شعر کے مصرعہ ثانی میں " نعیم لنا " درست انداز میں نہیں لکھا گیا۔ اسی طرح روضۂ اصفیاد کے نیچے تاریخ ۱۱۹۳ھ نہیں لکھی گئی۔ اس سے نیچے کی لائن میں محمد سید کی بجائے درست نام " محمد سعید " ہے۔ اس کے نیچے لائن کے درمیان میں یا غوث الاعظم کے اوپر ۱۱۹۳ ہجری لکھا گیا ہے جو موجودہ حالت میں کتبہ تراب کے نیچے لکھا ہے۔ (ہجری کا لفظ اصل کتبہ میں مکمل لکھا گیا ہے)

کتبہ نمبر ۱۷ :

دوسرے شعر کے مصرعۂ اولیٰ میں دوبارہ کی بجائے " دربارۂ " ہونا چاہیئے۔ مصرعہ ثانی میں عدو اور خاندان قادری کے مابین (۷) نہیں لکھا گیا۔ البتہ نیچے تاریخ لکھی گئی ہے۔



"سہروردیہ فاؤنڈیشن" سلسلۂ سہروردیہ کی علمی اور ادبی کاوشات پر تحقیقات کے لئے عالمِ وجود میں آئی ہے
اور سلسلۂ سہروردیہ کے ٹھوس علمی کارناموں کی شایانِ شان نشر و اشاعت کے لئے منظم طریقے سے کام کرنے کا عزم رکھتی ہے۔
ہم خیال احباب مندرجہ ذیل امور میں فاؤنڈیشن سے تعاون کر سکتے ہیں۔

✿ — کم از کم دس ضخیم جلدوں میں سلسلۂ سہروردیہ کی مکمل تاریخ احوال و آثار کو جمع کرنے کا منصوبہ ——
اس سلسلۂ کتب کا کوئی مناسب اور باوقار نام آپ کے ذہن میں آئے تو ہمیں ارسال کیجئے۔
کسی سہروردی بزرگ کے حالاتِ زندگی۔ آثار۔ نایاب تصاویر۔ یادداشتیں یا کلام آپ کے پاس ہوں تو ہم
مجوزہ تاریخِ سلسلۂ سہروردیہ میں انہیں شکریہ کے ساتھ شائع کریں گے۔ کسی سہروردی بزرگ کی تحریر کا ترجمہ —— اردو
انگریزی یا کسی بھی زبان میں آپ نے کر رکھا ہو یا اس سلسلے میں کوئی تحقیقی مضمون آپ نے تخلیق کیا ہو۔
تو سہروردیہ فاؤنڈیشن کے زیرِ اہتمام اسے زیورِ طبع سے آراستہ کرنے کے لئے ہماری خدمات حاضر ہیں۔

✿ — قدیم مخطوطاتِ سہروردیہ —— کے زیرِ عنوان سہروردیہ سلسلے کے بزرگانِ علم و ادب کی قدیم قلمی کاوشات۔
مخطوطات اور نقوش کی ترتیب و تدوین اور اشاعت کا اہتمام کیا جا رہا ہے۔ آپ کے پاس اگر کوئی مخطوطہ یا قدیم نقش۔
موجود ہو تو ہمیں ارسال فرمائیں۔ آپ کا نایاب تحفہ اشاعت تک بطورِ امانت ہماری لائبریری میں رہے گا
اور اشاعتی ضروریات مکمل ہونے پر شکریہ کے ساتھ بحفاظت واپس کر دیا جائے گا۔

✿ — دنیا کی کسی بھی زبان میں لکھی ہوئی اگر کوئی ایسی کتاب آپ کی نگاہ سے گزری ہو جس میں سلسلۂ سہروردیہ
کو موضوع بنایا گیا ہو تو ہمیں اس کی تفصیل سے آگاہ فرمائیے۔ تاکہ اسے حاصل کر کے اس کا اردو ترجمہ طبع کروایا جا سکے۔

✿ — فاؤنڈیشن کے ترجمان جریدے "سہرورد" کا آغاز ہو چکا ہے۔ اس کی ضخامت میں اضافہ کر کے
اسے بہت جلد ایک باقاعدہ ماہنامے کی صورت دے دی جائے گی۔ اس سلسلے میں آپ کا قلمی تعاون فاؤنڈیشن
کے لئے باعثِ افتخار ہوگا۔

آپ کا تعاون۔ مشاورت۔ تجاویز امداد اور عطیات فاؤنڈیشن کے عظیم منصوبوں کو پایۂ تکمیل پہنچانے کے ضامن ہوں گے۔
آیئے! اس نیک کام میں فاؤنڈیشن کے شانہ بہ شانہ کام کیجئے۔
آپ کی راہنمائی انشاء اللہ کلیدِ کامیابی ثابت ہوگی۔

مخلص :
سید اویس علی سہروردی
سیکریٹری جنرل

یکے از مطبوعاتِ
سہروردیہ فاؤنڈیشن
لاہور۔ پاکستان